شہنشاہِ بابر کی بیٹی۔ اور ہمایوں کی بہن۔ اکبر کی پھوپھی۔ گلبدن بیگم
کی مستند و جامع سوانح عمری جسکا ماخذ انگریزی و فارسی کی معتبر و مستند
کتابوں سے ہے۔ اور جس میں تینوں عہد کے جامع و مکمل حالات دکھائے
گئے ہیں۔ مع پانچ فوٹو

مرتبہ

پروفیسر سید ابن حسن صاحب شارق۔ بی اے۔ بی ٹی۔ سند یافتہ
مدرستہ العلوم علیگڈھ کالج۔ ملازم سیندھیا کالج گوالیار اسٹیٹ

باہتمام

سید ظہور الحسن۔ قومی کتب خانہ دہلی زیر جامع مسجد

خواجہ برقی پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کی

بار اول ایک ہزار قیمت گلیز کاغذ مجلد ۱۲؍ رف کاغذ مجلد ۸؍

فہرست مضامین کتاب سوانح عمری گلبدن بیگم

سید ابن حسن شارق- بی - اے بی-ٹی مصنف کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح عمری گلبدن بیگم

دختر

شاہ ظہیر الدین محمد بابر شہنشاہ ہند

مقدمہ

۱۔ خاندان

ظہیر الدین محمد بابر شہنشاہ ہند وسط ایشیا کے حکمرانوں سے خاص نسبت و تعلق رکھتا ہے یعنی ایک طرف تو اسکا سلسلہ نسب ترک قوم کے مشہور حکمران تیمور کے بیٹے میران شاہ سے ملتا ہے اور دوسری جانب مغل قوم کے نامور حکمران چنگیز کے بیٹے چغتائی سے

۱۴ فروری ۱۴۸۳ء کو پیدا ہوا اور بارہ سال کی عمر میں اسنے اپنے باپ کی مختصری حکومت فرغانہ کی باگ اپنے ہاتھ میں لی وہ دس سال تک اپنی قوم اور قبیلہ کی مدد سے اپنی حکومت پہ قائم رہا پھر زمانہ نے پلٹا کھایا اور اسکو نہ صرف حکومت سے دستکش ہونا بلکہ ملک کو بھی چھوڑنا پڑا۔

بابر نے ۱۵۰۴ء میں فرغانہ سے نکل کر جنوبی افغانستان کی جانب رخ کیا اور الغ بیگ کے جانشین پہ حملہ کرکے انسے کابل کو چھین لیا۔

۲ پیدائش

افغانستان میں بابر نے اکتیس سال حکومت کی قندھار و بدخشاں کے علاقے بھی

اسکے زیر نگیں تھے اور ۱۵۱۹ء میں سواد اور باجوڑ کے علاقے بھی اسکے قبضے میں آگئے
تھے اور انیس سالہ حکومت میں ایک کابل کیلئے اسکا اقتدار تنہا بھی قائم ہو گیا تھا۔
شاہزادی گلبدن بیگم ۱۵۲۳ء میں افغانستان میں پیدا ہوئی۔ صحیح طور پر تو تحقیق
نہیں ہو سکا کہ اسکی ولادت کس مقام پر ہوئی لیکن یہ امر محقق ہے کہ کابل کے گرد و نواح میں
وہ پیدا ہوئی۔

جس زمانہ میں گلبدن بیگم پیدا ہوئی ہے اُس زمانہ میں بابر کی حکومت اگرچہ کچھ زیادہ
وسیع نہ تھی لیکن آخری دس سالوں میں اسکا اقتدار ایک حد تک تازہ ہو گیا تھا کہ ملک کی رعایا اور
بیرون ملک کے قبائل و اشخاص کے دلوں پر اسکا سکہ بیٹھ گیا تھا اور تمام لوگ اسکو اپنا بادشاہ
سمجھتے تھے ان ایام میں وہ حقیقتاً تیموریہ خاندان کا سالارِ اعظم اور خود مختار بادشاہ تھا۔
بابر نے وما سرد وقتی کے اعتبار سے خواہ کیسا ہی بادشاہ کیوں نہ ہو لیکن اس سے انکار
نہیں کیا جا سکتا کہ اسکی جنگی و فوجی قابلیت بے مثل تھی اسکے لشکر میں بہت بڑا حصہ ایسے
لوگوں کا تھا جو نہ تو اسکی رعایا تھے اور نہ اس کی قوم اور قبیلے سے کوئی تعلق رکھتے تھے باوجود اسکے
ہر قسم کا فوجی سپاہی اسکا جان نثار اور وفادار تھا اور اسکی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔
بابر کا بیان ہے کہ کابل میں اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد اسکی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ وہ
دریائے اندس کے دوسری جانب کے علاقوں کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لائے اٹھائیس سال
تک وہ اپنی آرزو کو دل میں پرورش کرتا رہا آخر انیس سال کے بعد انہیں ایام میں جبکہ
گلبدن بیگم پیدا ہوئی ہے اسکو اسکا موقع ملا اور اُسنے دریائے اندس کے اس پار جا کر حملہ کیا
اور اس مہم میں کامیابی حاصل کی ہندوستان کا یہ پہلا ترک حکمران تھا جسکو بعض لوگ
حکومت مغلیہ کا بانی بھی کہتے ہیں اس فتح و کامرانی کے وقت گلبدن بیگم کی عمر ڈھائی سال
کی تھی۔
گلبدن بیگم کے ایام رضاعت و تربیت آسائش و سکون سے بالکل خالی ہیں اسکی

پیدائش کے بعد اسکے باپ بابر کو ایک لمحہ کا سکون نصیب نہیں ہوا بچپن کی تعلیم اور زندگی کا زمانہ بھی انقلاب انگیز رہا۔

انقلاب اسکی فطرت میں تھا یعنی وہ تیموری اور چنگیزی دونوں خاندانوں کے خون سے پیدا ہوئی تھی اور اسکی زندگی کا ہر دور انقلابات عالم کا ایک نیا دور تھا۔

گلبدن بیگم نے اپنی زندگی میں تین زبردست دور دیکھے پہلا دور اسکے باپ کی حکومت کا دور تھا جو اول سے آخر تک انقلاب کا دور رہا۔ عہد جوانی اور شادی کے بعد کی زندگی ہمایوں اور اسکے بھائی کے عہد میں بسر ہوئی جو تنزل اور جلا وطنی کا عہد تھا اور آخری عمر اکبر اعظم کی حفاظت میں گذری۔ ہم ان تینوں زمانوں کے حالات علیحدہ علیحدہ تین بابوں میں سپرد قلم کرتے ہیں۔

پہلا باب

عہد بابر

پہلی فصل

بابر کی بیویاں اور اولاد: بچپن اور نوجوانی کے ایام میں بابر کی تین شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی پانچ سال کی عمر میں تیموری خاندان کی ایک لڑکی عائشہ سے ہوئی جس نے سنہ [illegible]ھ میں انتقال کیا۔ دوسری شادی زینب نامی ایک لڑکی سے ہوئی یہ بھی تیموری خاندان کی شاہزادی تھی اسنے سنہ [illegible]ء میں انتقال کیا۔ تیسری شادی ایک اور تیموری خاندان کی لڑکی معصومہ سے سنہ [illegible]ء میں ہوئی اسکا انتقال بابر کے پہلے بچہ کی پیدائش میں ہوا۔

بابر کی چوتھی بیوی ماہم تھی جس سے اس نے خراسان میں شادی کی تھی اور اگرچہ اس شادی کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی غالباً ۱۵۰۶ء میں ہوئی ہوگی۔

پانچویں شادی دلدار بیگم سے ہوئی اور چھٹی شادی گلرخ بیگم سے ان تینوں بیویوں کے عہد میں شاہی خاندان کی کوئی بیوی زندہ نہ تھی۔

بابر کی ایک اور شادی کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے یہ شادی ۱۵۱۹ء میں یوسف زئی خاندان کے ایک سردار کی لڑکی مبارکہ سے ہوئی تھی جسکو سردار مذکور نے اطاعت قبول کرنے کے ثبوت میں بابر کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ لڑکی نہایت ہی حسین و جمیل و شکیل تھی اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دلدار بیگم بابر کی پانچویں بیوی سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑی لڑکی گلرخ بیگم ہے جو غالباً ۱۵۱۱ء سے ۱۵۱۵ء تک کسی سال میں پیدا ہوئی جس زمانہ میں یہ پیدا ہوئی ہے اسوقت اسکا باپ بابر کابل سے خوست گیا ہوا تھا پھر دوسری لڑکی گل چہرہ پیدا ہوئی اسکے بعد سب سے پہلا لڑکا ہندال پیدا ہوا جسکا سن ولادت ۱۵۱۹ء ہے ہندال کے بعد گلبدن بیگم پیدا ہوئی:۔

دلدار بیگم کی آخری اولاد ایک لڑکا تھا جسکا نام گلبدن بیگم نے الور لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نام کسی خاص مصلحت یا کسی شگون کی بنیاد پر رکھا گیا ہو جو ہندوستان کے مشہور شہر الور کے نام سے ہے یہ لڑکا ۱۵۲۹ء میں جبکہ بابر کا سارا خاندان آگرہ میں مقیم تھا انتقال کر گیا۔

بابر کی چوتھی بیوی ماہم سے جس سے بابر کو غیر معمولی محبت تھی ہمایوں پیدا ہوا اور کامران و عسکری مرزا گلرخ بیگم سے پیدا ہوئے۔

دوسری فصل

ہندوستان پر بابر کی فوج کشی!

بابر بادشاہ

شاہزادی گلبدن بیگم چونکہ اس فوج کشی سے دو سال قبل پیدا ہوئی ہو جو دریائے اندس کے
اس پار کیا گیا تھا اسلئے ضروری ہے کہ ۱۵۲۵ء میں اس کی بچپن کی آنکھوں نے فوج کشی کے
اس نظارہ کو دیکھا ہوگا۔ فوجیں جو حملہ کیلئے تیار کی گئی تھیں اور تمام و یعقوب میں فراہم
کی گئی تھیں اور وہاں سے آراستہ ہو کر دریائے اندس کے جانب روانہ ہوئی تھیں۔

یہ کہنا غالباً مبالغہ نہ ہوگا کہ گلبدن کی آنکھوں نے قلعہ کی بلندی سے ان فوجوں کو روانہ
ہوتے دیکھا ہوگا چنانچہ وہ خود کہتی ہے کہ میں نے لشکر کو جاتے دیکھا اور دل میں یہ خیال کیا
تنہا کابل کے محل میں یہ منظر ہمیشہ ہونے اوجھل ہو جائے گا چنانچہ اس فوج کے چلے جانے کے
بعد مہینوں اور برسوں میری نظروں میں کابل کی مشرقی سڑک کا یہ منظر پھرتا رہا۔"

بابر کی فوجی قوت اور جنگی استعداد کا اندازہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کے
اخلاق و عادات اور طرز زندگی پر نظر ڈالیں جو بابر کے ساتھ ہندوستان کو فتح کرنے کیلئے
دریائے اندس کے اس پار گئے ہوئے تھے۔

بابر کے سپاہی عموماً خانہ بدوش قبائل تھے جو لق و دق میدانوں میں زندگی
بسر کرنے کے عادی تھے اور انکی ضروریات زندگی جو بہم مہیا ہو جاتی تھیں ان میں سے زیادہ
حصہ ان لوگوں کا تھا جو دور دراز مسافت طے کر کے آئے تھے اور بڑے پہاڑ اور جنگل میدان
انکے محبوب مسکن اور مرغوب نزہت گاہ تھے ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو مشکلات و مصائب
کی کیا پروا ہوگی۔ ہندوؤں اور ان کے ملک کو وہ کب خاطر میں لاتے ہونگے اور وہی
انقلابات کی انکو کب پروا ہوگی واقعہ یہی ہے انہوں نے اسکی دشوار ہوگی کبھی پروا
کی خوفناک دشمنوں اور مہیب خطرناک جنگلی جانوروں سے وہ کبھی نہ ڈرے گرمی
سردی اور برسات کبھی ان کے ارادوں میں مزاحم نہیں ہوتی تاہم جب وہ ایک مدنگ
خوف زدہ اور پریشان ضرور تھے۔

یہ بتلانا آسان نہیں ہے کہ بابر نے ان سپاہ منتشر کے جانبازوں کو کیونکر ہموار کیا

تھا یقیناً ان آدمی نما لوگوں کو جمع بنانے اور حملہ کرنے کا کوئی خاص طریقہ ہوگا جو اسوقت
تک پردہ خفا میں مستور ہے ہمکو اس سلسلہ میں جہانتک معلوم ہے وہ صرف اتنا ہے کہ بابر
اور اسکے ساتھ ہندوں کو کابل میں ان لوگوں کی عورتوں سے معاشرتی تعلقات قائم ہو چکے تھے
اور ان عورتوں سے انکے خیالات جذبات اور احساسات کا پتہ لگ گیا تھا۔

ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ بعض وقت انکے مشاغل و حالتوں سے معلوم ہوتا تھا
کہ وہ بےحس لوگ ہیں اور ان میں جذبات و احساسات بالکل نہیں پائے جاتے لیکن
ہمیشہ کا ایک یہ منظر سامنے آتا تھا کہ لشکر کشی کی خبر پاتے ہی یہ لوگ فوراً جمع ہو جاتے تھے
اور ایک باقاعدہ و منظم سپاہ کی طرح اپنے افسر کے حکم کی اطاعت کرتے تھے لڑائی انکے
لئے معمولی سی بات تھی وہ دشمنوں سے ایک اشارہ میں ٹکرا جاتے تھے فتح کی خبر
انکو خوش کر دیتی تھی اور شکست کی خبر سے وہ تھوڑی دیر کیلئے رنجیدہ ہو جاتے تھے۔

بابر نے کابل سے روانہ ہوتے وقت عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال اور مملکت
کی نگرانی کے لئے اپنے بیٹے شہزادہ کامران کو چھوڑا تھا کامران کی اسوقت کیا عمر تھی اسکے
متعلق ہمکو کوئی صحیح اطلاع نہیں ملی کیونکہ نہ تو بابر نے شہزادہ کامران کی ولادت کی تاریخ
لکھی ہے اور نہ کسی دوسری تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

دہ یعقوب سے لشکر کو روانہ کرنیکے بعد بابر ماہ نومبر ۱۵۲۵ء کو کابل سے روانہ
ہوا اور تیسری دسمبر ۱۵۲۵ء کو باغ وفا پہنچکر ہمایوں سے جا ملا ہمایوں نے باغ وفا پہنچنے
میں کسی قدر دیر کر دی تھی بابر اسکی اس تاخیر پر سخت ناراض ہوا ہمایوں کی عمر اسوقت سترہ
سال کی تھی اور ۱۵۲۰ء سے وہ بدخشاں کی گورنری کے فرائض انجام دے رہا تھا وہ اس
وقت باپ کے حکم سے ہندوستان پر حملہ کرنیکے لئے اپنے ساتھ فوج لایا تھا اس کی
ماں ماہم چونکہ بابر کے ساتھ کابل میں تھی اور بہت دنوں سے اسنے اپنے بیٹے ہمایوں کو
نہیں دیکھا تھا اسلئے ہمایوں چند روز ماں کے پاس ٹھہر گیا تھا اور باغ وفا پہنچنے

میں مدد ہوگئی تھی۔

ہندوستان کی جانب لشکر کو روانہ ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ کابل میں پریشان کن خبریں ملیں یعنی وسط دسمبر ۱۵۲۵ء سے پہلے پہلے بابر تین مرتبہ بیماری کے سخت حملوں کا شکار رہا۔ بابر نے اپنے تزک میں جس موقع پر اپنی شراب نوشی اور معجون خوری کا ذکر کیا ہے وہیں اس علالت کا حال بھی لکھا ہے کہ بابر کا بیان ہے کہ اس نے اپنی اس بیماری کو عذاب الٰہی اور قہر خدا سمجھا کیونکہ ہم نشینوں کی صحبت نشاط اور بزم عیش و عشرت میں شریک ہو کر غفلت و بے پروائی کیساتھ لطف زندگی اٹھانے سے فوراً توبہ کی اور تمام ناروا افعال کو ترک کر دیا لیکن بایں ہمہ بیماری نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا پھر اس نے یہ خیال کیا کہ اس نے چونکہ ہجو و ذم کے اشعار کہے ہیں ممکن ہے کہ یہ علالت اس کی سزا ہو اس بنا پر اسنے خیالات میں پاکیزگی پیدا کی اور اعلیٰ اخلاق سے کام لینا شروع کیا چنانچہ اسنے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس زبان پر لعنت ہو جو نیک و پسندیدہ الفاظ کے بجائے ناروا الفاظ سے آلودہ ہو اے بزرگ و برتر خدا اگر تو مجھ پر رحم نہ فرمائیگا تو میرا شمار مطعونوں میں ہوگا۔

بابر کے مذکورہ الفاظ سے اسکے اعلیٰ خیالات کا کافی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنے نفس سرکش کو ملامت کرنے اور ناروا افعال سے خائف ہونے کا کتنا پاکیزہ جذبہ تھا۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۶ جنوری ۱۵۲۶ء کو ایک قاصد آیا اور ضروری اطلاعات کے علاوہ کچھ قلمی کتابیں بھی لایا یہ کتابیں ملوٹ کے قلعہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد دستیاب ہوئی تھیں ان میں سے چند کتابیں کامران کو بھیجی گئی تھیں اور باقی ہمایوں کیلئے یہ کتابیں اگرچہ اس زمانہ میں بیش بہا ذخیرہ تھیں لیکن ہمایوں نے اُن کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا ان کا بیشتر حصہ علم الٰہیات پر مشتمل تھا۔

۲۰ فروری ۱۵۲۶ء کو ہمایوں نے حصار فیروزہ کی تسخیر کا اعلان کیا یہ پہلی جنگ تھی جس میں ہمایوں نے بذات خاص حصہ لیا تھا اس فتح سے ہمایوں کی والدہ ماہم اور بابر دونوں بہت خوش ہوئے اور شاہ آباد سے اسکی اطلاع کابل روانہ کی گئی۔

بابر نے اپنی تزک میں جہاں اس فتح کا ذکر کیا ہے وہاں ایک دلچسپ واقعہ بھی درج ہے یعنی اس روز جس دن فتح کی خبر پہنچی ہے بابر کی داڑھی استرے سے مونڈی یا قینچی سے کتری گئی اور یہ رسم ایک قومی تہوار کے طور پر ادا کی گئی بابر نے تزک میں اس واقعہ کا خود ذکر کیا ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس واقعہ کو تفصیل کیساتھ تزک میں ہمایوں نے بعد کو داخل کیا ہے اور تزک میں اسکو شامل کرنیکی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ جب ہمایوں نے اپنے باپ کے اس طریقہ پر عمل کرکے داڑھی منڈانے یا کترولنے کا ارتکاب کیا تو اپنے اس فعل کے جواز کی یہ صورت نکال کر باپ نے اس فعل کو تزک میں درج کر دیا۔ ہمایوں نے اس فعل کا ارتکاب ۱۵۵۴ء میں کیا تھا جبکہ وہ اپنے باپ کے ہاتھ سے نکلے ہوئے مقامات کو دوبارہ حاصل اور فتح کرنیکے لئے ہندوستان روانہ ہو رہا تھا ہمایوں کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت اس کی عمر ۴۶ سال کی تھی۔

ہمایوں کی مذکورہ بالا معمولی فتح کے ساتھ اگر اسکامیابی کو بھی شامل کر لیا جائے جو ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودی کو شکست دیکر اسنے حاصل کی تھی تو فتوحات کی اہمیت بہت بڑھ جائیگی خبر رسانوں نے اس شاندار کامیابی کی خبر ایک مہینہ کے اندر ہی اندر کابل پہنچا دی جہاں اس خبر کو خاص مسرت کے ساتھ سنا گیا

۱۱ مئی ۱۵۲۶ء کو بابر نے ان پانچ بادشاہوں کے خزانوں کو تقسیم کیا جو فتوحات میں اسکو حاصل ہوئے تھے اور خود اس میں سے بہت کم حصہ لیا اسقدر کم کہ لوگوں نے بابر کو اس قناعت پر "قلندر" کا خطاب دیدیا۔

مال و دولت کی تقسیم میں سخی نہایت فراخ دلی سے کام لیا اور اپنے اعزا و اقربا رشتہ داروں اور قبیلہ کے لوگوں میں سے کسی کو نہ بھولا عراق اور عرب کے مقدس مقامات کو بھی کافی روپیہ بھجوایا اور خوب خیرات کی پھر کابل کے لوگوں کا اس نے خاص خیال رکھا یہانتک کہ کابل کا کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو بابر کی داد و دہش سے محروم رہا ہو اس تقسیم میں خواتین شاہی کو جو کچھ ملا گلبدن بیگم نے اسکا ذکر تفصیل سے کیا ہے گلبدن بیگم نے بڑی بیگموں سے اس تفصیل کو شروع کیا ہے اور اپنی پھپھیوں کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔

وہ وقت بھی عجیب ہوگا جبکہ ہندوستان کی دولت اور نادرہ روزگار اشیاء کابل کے میدان میں پڑی ہونگی اور لوگ ان کو دیکھنے کیلئے جوق جوق آرہے ہونگے اور پھر اس امر کا اسکے شایان شان جوش و خروش کیساتھ استقبال کیا گیا ہوگا کہ کبھی کابل میں یہ سامان آیا ہوگا۔

اس تمام سامان اور مال و دولت کو بابر کا دوست خواجہ کلاں اپنی نگرانی میں لایا تھا خواجہ کلاں نے یہ عذر پیش کر کے کہ ہندوستان کی آب و ہوا اسکو موافق نہیں ہے رخصت حاصل کی تھی اور اس سامان کو اپنے ساتھ لایا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواجہ کلاں کی صحت کی خرابی کا بڑا سبب ہندوستان کی آب و ہوا کی ناموافقت نہیں بلکہ اسکے چال چلن کی خرابی تھی وہ دن رات عورتوں میں پڑا رہتا تھا اور ہر وقت عیش و عشرت میں محو رہتا تھا اس زمانے کے تعیش کا طریقہ یہ تھا کہ عورتوں کو کہانیاں کہنے اور سننے کا خاص شوق تھا خواجہ کلاں رات رات بھر حسین و جمیل عورتوں سے کہانیاں سنا کرتا اور زندگی کا لطف اٹھایا کرتا تھا۔

جو عورتیں لشکر کیساتھ تھیں یا جو ہندوستان میں حاصل ہوئی تھیں قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ترکی عورتوں کیطرح پردہ کا زیادہ رواج نہ ہوگا یعنی اگر وہ

کا رواج ہوگا تو وہ صرف اتنا جس کو ہم آجکل کی اصطلاح میں کانا پھونسی کہتے ہیں اور عورتوں کے درمیان عزیزوں رشتہ داروں دوسرے ملنے جلنے والوں کی آزادانہ آمد و رفت نہ ہوگی۔

جو تحائف بابر نے کابل بھیجے تھے انہیں سے یقیناً گلبدن بیگم کو بھی کچھ ضرور ملا ہوگا اور ممکن ہے کہ دوسروں کی طرح ہاچی ننا کے لئے بھی کچھ خاص چیزیں نامزد کر دی ہوں بابر نے ان تحائف کیساتھ ایک فہرست بھی بھیجی تھی جس میں تحائف کی تفصیل اور ان اشخاص کا ذکر تھا جن کو بعض خاص تحائف عطا ہوئے تھے۔

بابر کے تحائف میں جواہرات کے علاوہ رقاصہ عورتوں کی بھی ایک جماعت تھی جو فن رقص میں مناسب دستگاہ رکھتی تھیں اور ہندوستان کے عجائبات میں ان کا شمار ہوتا تھا یہ عورتیں صرف خاص خاص بیگمات کو عطا ہوئی تھیں گلبدن بیگم نے یقیناً ان رقاصہ عورتوں کا رقص دیکھا ہوگا۔

تحائف کیساتھ چند ہدایات بھی بھیجی تھیں جنکا ذکر گلبدن بیگم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ہر نازک موقع اور پریشانی کیوقت بابر نے اپنے مذہبی جذبات کو ظاہر کیا اور ضروری مذہبی رسوم کو خاص عقیدت سے ادا کیا ہے۔ چنانچہ حصار فیروزہ کی فتح کے بعد بابر نے جب کابل کو تحائف روانہ کئے تو خواجہ کلاں کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ صبارعام کے شاہی باغ میں خواتین کے اجتماع کا انتظام کرے تاکہ وہ وہاں جمع ہو کر شاہی لشکر کی کامیابی کا شکر ادا کریں۔ خواتین وہاں اپنے قیام کا خود انتظام کریں اور چندے وہاں بسر کریں ممکن ہے کہ بابر نے خواتین کے قیام و اجتماع کا نقشہ خود ہی تیار کیا ہو اور خود اس پر لطف اجتماع میں شرکت نہ کر سکنے کا اس کو افسوس ہوا ہو۔

خداوند بزرگ و برتر کے حضور میں فتح و کامیابی کا شکر ادا کرنے کی یہ مہم گرما

سے شاہی باغ میں واقع کی گئی تھی جہاں مئی اور جون کی سخت گرمی کے زمانہ میں بھی بہار کی چھٹا بہار نسے دیکھی جاتی ہیں اور اس تقریب میں ننھی شہزادی گلبدن بیگم بھی اچھے اچھے کپڑے پہن کر شریک ہوئی ہوگی دربارگاہ رب العزت میں شاہی شکر کے سجدے کیے ہونگے ممکن ہو کہ اس وقت اسکے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا ہو کہ بابا جان اس تقریب میں شریک نہیں اور اس خیال سے ممکن ہو کہ اسکے نازک دل پر چوٹ لگی ہو اور خداوند بزرگ و برتر نے اسکی خواہش کو پورا کرنیکا سامان کردیا ہو جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقریب ابھی جاری تھی کہ بابر بھی کابل میں پہنچ گیا۔

تیسری فصل

گلبدن بیگم کی پرورش و تربیت

بابر نے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے جو ضروری انتظامات کابل میں کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ دلدار بیگم کے دو بچوں گلبدن بیگم اور ابوالناصر ہندال کو پرورش و تربیت اور تعلیم کے لئے ماہم بیگم کے حوالہ کردیا تھا ماہم بیگم حرم شاہی میں سب سے بڑی خاتون تھی اور بابر کے سب سے بڑے لڑکے ہمایوں کی ماں ہے اس خاتون کو حرم میں غیر معمولی امتیاز حاصل تھا

گلبدن بیگم کی عمر اسوقت دو سال کی تھی اور ماہم بیگم کو دل بہلانے کیلئے چھوٹے بچے کی ضرورت بھی تھی ہمایوں کی ولادت کے بعد ماہم کے بہت سے بچے ہوئے تھے لیکن سب ضائع ہوگئے تھے مورخین کا بیان ہے کہ ماہم بیگم کے بطن سے ہمایوں کے بعد چار بچے پیدا ہوئے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا لیکن یہ تمام بچے بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔

ماہم بیگم نے دلدار بیگم کے بچوں کی پرورش۔ تربیت اور تعلیم کا بار یا تو اس خیال سے قبول کیا ہوگا کہ اپنے بچوں کے انتقال سے وہ رنجیدہ رہتی تھی اور دل بہلانے کی ضرورت تھی یا محض بابر کی خاطر سے اس نے انکار نہ کیا ہوگا بابر کو ماہم بیگم سے غیر معمولی محبت تھی چنانچہ

بعض مورخین نے تو بابر کی محبت کی نسبت یہاں تک لکھا ہے کہ اسکو ماہم بیگم سے ایسی ہی
الفت تھی جیسی کہ امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے حضرت رسول خدا صلعم کو تھی
ماہم بیگم بھی بابر سے غیر معمولی محبت کرتی تھی چنانچہ اسکے بیان سے اسکا کافی ثبوت
مہیا ہوتا ہے کہ انہوں نے دلدار بیگم کے بچوں کی تربیت و پرورش اور تعلیم کو خوشی سے قبول کیا اور
ظاہر کیا کہ انہوں نے دلدار بیگم کے بچوں کو بابر کیلئے پرورش کیا تھا اور اس طریقہ سے اسکو یہ
ظاہر کرنا تھا کہ بابر سے اسکو غیر معمولی محبت ہے بابر نے بھی ماہم بیگم کے اس ایثار کو سراہا ہے
اور بیان کیا ہے کہ ماہم بیگم نے انکی خاطر سے دلدار بیگم کے بچوں کی پرورش اسطرح کی جسطرح
ایک لونڈی یا ملازمہ پرورش و تربیت کرتی ہے۔

جمال کی پرورش، تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنیکا واقعہ مورخین نے
اسطرح بیان کیا ہے کہ ۱۵۱۹ء میں جب بابر باجور اور سواد وغیرہ کی فکر میں باہر گیا
ہوا تھا اور باجور اور سواد کے حصول کے بعد اسکو بی بی مبارکہ ملی تھی اس زمانہ میں ماہم
بیگم اور بابر کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا ۲۵ جنوری ۱۵۱۹ء کو بابر کے ایک خط کی جواب
میں ماہم بیگم نے لکھا یعنی خواہش ظاہر کی کہ دلدار بیگم کے بطن سے جو بچہ پیدا ہو اسکی پرورش و تربیت بھی انکو سپرد
کیجائے اس خط میں انہوں نے بابر کو یہ بھی لکھا تھا کہ آپ رمالوں اور نجومیوں سے دریافت کر کے یہ
اطلاع دیں کہ دلدار بیگم کے بطن سے لڑکا پیدا ہو گا یا لڑکی اور یہ بھی دریافت کیا تھا کہ دلدار
بیگم کے حاملہ ہونیکی رسمیں آپنے خود ادا کی ہیں یا لشکر کے پڑاؤ میں کسی عورت نے
ادا کی ہیں بابر نے اسکے جواب میں لکھا کہ دلدار بیگم کے بطن سے لڑکا پیدا ہو گا اور انکی رسمیں ادا
کر دی گئی ہیں۔

۲۶ تاریخ کو بابر کا یہ خط وصول ہوا اور چوتھی مارچ کو لڑکا پیدا ہوا جسکا نام ابوالنا

عہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہونیکا معلوم کرنیکا طریقہ نہایت سادہ تھا کہ دو چھوٹے کاغذوں پر لڑکا اور لڑکی لکھا جاتا تھا [illegible]
زمین ... تھا اور ان کاغذوں کو مٹی کے ڈھیلوں کے اندر رکھکر ڈھیلوں کو پانی میں ڈالدیا جاتا تھا جو پہلے
کاغذ کھل کر تہ سے پہلے پانی کے اوپر آجائے وہی ولادت ہوگی۔ مؤلف

عرف ہندال رکھا گیا ترکی میں ہندال ہی نام آتا ہے جسکے معنی غالباً خاندان ہند ہیں اور تیسرے روز بچہ پرورش و تربیت کیلئے ماہم بیگم کے سپرد کر دیا گیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دلدار بیگم نے اپنے بچہ کی اس جدائی کو جو بظاہر نام جدائی تھی خوشی سے گوارا کیا تھا یا نہیں اگست ۱۵۲۶ء کو ماہم بیگم کے بطن سے ایک اور لڑکا پیدا ہوا جسکا نام فاروق رکھا گیا لیکن یہ بچہ بچپن ہی میں فوت ہوگیا اور بابر کو اس کی صورت تک دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

ماہم بیگم نے دلدار بیگم کے بچوں کو گلبدن بیگم اور ہندال کو اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا معقول تربیت کی اور بہترین تعلیم دی جسکا ثبوت گلبدن بیگم کی قابلیت سے ملتا ہے۔

چوتھی فصل

ہندوستان کے واقعات

بابر ۱۵۲۵ء میں ہندوستان آیا تھا اور یہاں اسکو جنگ و پیکار میں مبتلا ہو چکے تھے کابل کے گھروں میں عموماً اور حرم شاہی میں خصوصاً بادشاہ اور لشکر کی واپسی کا سخت انتظار تھا خود بابر کبھی کبھی کابل واپس جانے کو چاہتا تھا لیکن فتوحات کا شوق ہمیشہ اس جذبہ پر غالب رہتا تھا۔

دسمبر ۱۵۲۶ء کو ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس نے کابل کی آبادی کو مشتعل اور بغل در آتش کر دیا واقعہ یہ تھا کہ ابراہیم لودی ہندوستان کے حکمراں کی ماں نے بابر کو زہر دیدیا تھا جس سے بابر محفوظ رہ گیا تھا گلبدن بیگم نے اس واقعہ کی تمام تفصیلات لکھی ہیں چنانچہ اسکا بیان ہے کہ بابر نے ابراہیم لودی کو شکست فاش دیکر اور پھر اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اسکی ماں کو بلایا اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس رکھا تھا وہ بھی لشکر میں رہتی تھی لیکن بیٹے کے انتقام کی فکر میں موقع کی منتظر تھی چنانچہ

چنانچہ موقع پاکر اس نے بابر کو زہر دیدیا بابر نے اس کی اس حرکت پر اسکو خاص
نگرانی میں دیدیا پھر دو افسروں کے حوالہ کرکے اس کی نگرانی سخت کردی گئی اور اس کے
بعد ایک خاص افسر کی نگرانی میں اس کو کابل روانہ کردیا گیا غالباً اس نے یہ سوچا ہوگا
کہ کابل لیجاکر اس سے سخت انتقام لیا جائیگا اس خیال سے اس نے دریائے سندھ
میں کود کر اپنی جان لہروں کے سپرد کردی اور غرق ہوگئی۔

بابر نے جب سُنا کہ زہر خورانی کے واقعہ نے کابل میں تشویش کی لہر دوڑادی
ہے تو اسنے کابل کو ایک خط لکھکر روانہ کیا بابر نے اس خط میں ان تمام باتوں کو تفصیل
سے لکھا ہوگا جو وقوع میں آئیں اس خط کے اقتباسات یہ ہیں۔

بابر کہتا ہے کہ "جو شخص موت کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اس کو زندگی کی
حقیقی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے" پھر زہر کے اثر سے محفوظ رہنے پر خداوند بزرگ و برتر کا
شکر ادا کرکے کہتا ہے کہ "مجھے اس سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ زندگی کس قدر پُرکیف اور
شیریں ہوتی ہے" اسی سلسلہ میں اس نے لکھا ہے کہ "اب مجھے قدرت کی ان دستوں کا
احساس ہوا ہے جس کے ہاتھوں میں زندگی اور موت ہے۔"

اس واقعہ کے تین ماہ بعد کابل میں یہ خبریں موصول ہوئیں کہ ہندو بابر کی
فوج پر فتح حاصل کررہے جن کو شکست دینا مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے۔

یہ جنگ جس میں بابر کی فوج کو شکست ہوئی تھی ۱۳ مارچ ۱۵۲۷ء کو سیکری
کی ننگی پہاڑیوں کے دامن میں ہوئی تھی ہندو راجپوتوں کی سپہ سالاری کے فرائض
رانا سانگا انجام دے رہا تھا اس شکست سے بابر کی فوج کو سخت مصائب کا سامنا
کرنا پڑا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ سخت مشکلات میں مبتلا ہوگئی آخر انہوں نے اپنی
بداعمالی سے توبہ کی نیک کام شروع کئے سونے چاندی کے اُن پیالوں کو جنمیں شراب
پی جاتی تھی اور غالباً جو فارس کی اعلیٰ صناعی کا نمونہ تھے توڑ ڈالا گیا اور انکے ٹکڑے

غرباء کو تقسیم کر دیے گئے۔ شراب کے مٹکوں اور پیپوں کو زمین پر بہا دیا گیا اور جس
زمین پہ شراب بہائی گئی تھی اس کو محتاج خانہ اور رباط بنا دیا گیا غرض مسلمانوں نے
تمام برے افعال کو چھوڑ دیا اور نیک اعمال اختیار کئے پھر اسی کے ساتھ فوجوں میں
جوش پیدا کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری جنگ میں مسلمان خوب لڑے خون کے دریا
بہا دیئے اور دشمنوں پر کامل فتح حاصل کی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ لشکری ہندوستان
میں بیٹھے بیٹھے گھبرا گئے تھے وطن اور بال بچوں سے دور تھے اور ہر شخص کے دل میں
وطن واپس جانے کی آرزو تھی خصوصاً ہمایوں کے لشکر میں جس کا زیادہ حصہ بدخشی قبائل
کا تھا یہ لوگ ملازمت کی پابندیوں سے اپنے آپ کو بالاتر خیال کرتے تھے اور ان کی عادت
تھی کہ سال میں دو تین مہینے سے زیادہ اپنی خدمت پہ حاضر رہتے تھے ان کو ہندوستان
آئے ہوئے سولہ مہینے گزر چکے تھے اور واپس گھر جانے کے لئے بے چین تھے ان
لوگوں سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ اس جنگ کے بعد فوراً ان کو رخصت دے دی جائیگی ان
وجوہ سے لشکر کے اندر عام جوش پیدا ہو گیا تھا اور ہر شخص بہادری کا مجسمہ بنا
ہوا تھا۔

بابر کی فوج کا زیادہ حصہ ہندوستان میں مزید قیام اور جنگ کے جھمیل کو
جاری رکھنے کے خلاف تھا اور بہت ہی کم ایسے لوگ تھے جو جنگ کو جاری رکھنے
کے حق میں ہوں یہاں تک کہ بابر کا خاص دوست بھی جو بابر کے اشارہ پر چلتا
تھا ہندوستان کے مزید قیام کو ناپسند کرتا تھا بابر نے یہ حالات دیکھ کر ایک مجلس
شوریٰ منعقد کی اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

"جنگ میں کامیابی اور فتح اور مملکت پر قبضہ اسوقت تک ناممکن ہے
جب تک کافی سامان جنگ نہ ہو اور اسی طرح کسی ملک پہ حکومت و امارت اسوقت تک

ممکن نہیں جبتک ہمارا ملک مطمئن نہو اور ماتحت صوبجات اپنے اقتدار میں نہوں۔

ہم نے بہت سی جد و جہد کے بعد یعنی جانوں کو خطرہ میں ڈالکر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے دشمن ابراہیم لودی کو شکست دی ہے اور اس کے ملک کے بہت سے صوبوں اور علاقوں کو فتح کر کے اپنے قبضہ میں لائے ہیں۔

ایسی حالت میں کیا یہ مناسب ہے کہ ہم نے دور دراز سفر کی جو مصیبتیں برداشت کی ہیں سخت دشواریوں کا سامنا کیا ہے اپنی عزیز قوم کے سپاہیوں کی جانوں کی قربانیاں دی ہیں ان کو یونہی رائیگاں جانے دیا جائے اور فتوحات کے سلسلہ کو ختم کر کے ہم ہندوستان سے بھاگ جائیں ہم نے اس ملک میں جو شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور اپنی طاقت کی جو نمائش کی ہے وہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنے فتوحات کے سلسلہ کو جاری رکھیں اور یہاں سے مایوس ہوکر کابل واپس نہ جائیں اگرچہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیندہ بھی ہم کو فتوحات حاصل ہونگے اور ہم اپنے دشمن پر کامیاب ہونگے لیکن اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے جو ذرائع ہمارے پاس ہیں ان سے ہم کو کام لینا چاہیے ہمت کو بلند اور ارادوں کو مضبوط رکھنا چاہیے۔

میرے جن دوستوں نے واپسی کی تجویز پیش کی ہے یہ تجویز ان کی شان کے خلاف ہے ان کو اتنا بزدل نہیں بننا چاہیے اس کے بعد میں یہ کہونگا کہ اس حالت میں بھی جو شخص ہندوستان میں ٹھہرنا نہ چاہے اور اپنے مقصد عالی کی اس کو پروانہ ہو بے تکلف اپنے ملک کو واپس چلا جائے ہم اسکو ہندوستان کے قیام پر مجبور نہ کرینگے۔

بابر کی اس دانشمندانہ تقریر نے سپاہیوں پر غیر معمولی اثر ڈالا انہوں نے واپسی کے ارادے کو ترک کر دیا اور پھر جنگی تدبیروں اور کاموں میں مصروف و منہمک ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے پوری قوت سے دشمن کا مقابلہ کیا اور

اس کو شکست فاش دی۔

اس فتح کے بعد حسب وعدہ بابر نے ان سپاہیوں کو واپس جانے کی اجازت دیدی جو کابل جانے کے خواہش مند تھے ہمایوں اپنی بدخشی سپاہ کے ساتھ واپس روانہ ہوا اس کے ساتھ مہدی خواجہ بھی تھا ہمایوں کو اس کی ہمراہی اگرچہ ناگوار تھی لیکن بادل ناخواستہ اسنے اس کو اپنے ساتھ رکھا یہانتک کہ سفر خیر و خوبی کیساتھ ختم ہوا اور یہ لوگ کابل پہنچ گئے مہدی خواجہ کا لڑکا چونکہ اٹاوہ میں حکمران تھا اسلئے وہ زیادہ عرصہ تک وطن میں قیام پذیر نہ رہا اور ۱۵۲۶ء میں پھر ہندوستان چلا آیا۔

ہمایوں رخصت کے دن پورے کرکے ۱۷ اپریل ۱۵۲۶ء کو پھر دہلی آگیا دہلی پہنچکر اسنے شاہی خزانہ کا روپیہ نکال لیا اور اپنے صرف میں لے آیا ہمایوں کا یہ فعل کسی طرح مناسب نہیں کہا جا سکتا اس کو اگر روپیہ کی ضرورت تھی تو وہ جائز طریقہ پر بھی حاصل کر سکتا تھا اس نے اس روپیہ کو بھی جو اس کو فتح کی خوشی میں انعام کے طور پر ملا تھا ضائع کر دیا اور شاہی خزانہ کا روپیہ بھی برباد کر دیا بابر ہمایوں سے غیر معمولی محبت رکھتا تھا اور وہ اکثر اسکی اس قسم کی حرکتوں سے چشم پوشی کر جاتا تھا اسکے ساتھ ہی وہ اسکو بیش قرار رقمیں و قیمتی اشیاء بھی دیتا رہتا تھا چنانچہ مشہور ہے کہ گوالیار کی رانی نے اپنے خاندان کی عزت کو برقرار رکھنے کیلئے جو قیمتی ہیرا بابر کی نذر کیا تھا وہ بھی بابر نے ہمایوں ہی کو دیدیا تھا غالباً یہ ہیرا وہی مشہور کوہ نور ہے جس کا ذکر تاریخوں میں اکثر آتا ہے۔

شاہی خزانہ پر ہمایوں کی یہ دست برد بابر کو بھی ناگوار گذری اور وہ ہمایوں کے اس فعل پر بہت ناراض ہوا چنانچہ بابر نے اپنی تزک میں ۹۳۳ھ کے واقعات میں اسکا بھی ذکر کیا ہے اور ہمایوں کیلئے یہ بیان ایک ایسی سزا ہے جسکو وہ رہتی دنیا

تک پہنچ گئے ہو۔

جوانی کے عالم میں ہمایوں نے یہ حرکت وقوع میں آئی تھی ممکن ہے کہ اس قسم کے اور واقعات بھی وقوع میں آئے ہوں اور بابر نے اسکی ان حرکات پر اسکو کافی تنبیہ بھی کی ہو۔

ہمایوں کی ذاتی قابلیت اور حکومت کی اہلیت کا اندازہ اس قسم کی حرکات سے بخوبی ہو سکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ باپ کے غیر معمولی لاڈ پیار نے ہمایوں کو جری بنا دیا تھا بابر اسکی افسوسناک حرکات سے چشم پوشی کرتا تھا اور ہمیشہ اسکی ناگوار حرکتوں پر پردہ ڈال دیتا تھا اسلئے ہمایوں کو ان باتوں کی پروا نہوتی تھی۔

ہمایوں کچھ عرصہ بعد دہلی سے بدخشاں چلا گیا اور ۹۳۴ھ کے موسم خزاں میں بابر کو یہ معلوم ہوا کہ ہمایوں بدستور اپنی لغویات میں مشغول ہے انہیں ایام میں حاجی بیگم کے بطن سے جسکے متعلق مورخین کا یہ بیان ہے کہ انکو شیر شاہ نے چونسہ میں قید کر لیا تھا ہمایوں کا پہلا لڑکا پیدا ہوا اسی کے ساتھ بابر کو یہ خبر بھی ملی کہ شہزادہ کامران کی شادی سلطان علی بیگ چک کی لڑکی سے ہوگئی ہے بابر نے ان خبروں کو خوشی کیساتھ سنا اور تحائف روانہ کئے۔

بابر نے ہمایوں کے لڑکے الامان کے پیدا ہونے اور شہزادہ کامران کی شادی پر جو خط ہمایوں کو لکھا تھا وہ دیکھنے کے قابل ہے تزک میں اس خط کا ذکر پایا جاتا ہے یہ خط بظاہر محبت نامہ ہے لیکن اسمیں تابعدارانہ ہدایات بھی ہیں ہم اس کے اقتباسات اس موقعہ پر درج کرتے ہیں ہمایوں کو مخاطب کرکے بابر اس خط میں کہتا ہے۔

"بچہ کا نام (الامان) قابل اعتراض ہے اس سے عمل اور کوشش ہمیشگی کے مفہوم کا اظہار ہوتا ہے کامیاب وہی شخص ہے جو کوشش اور جدوجہد کرتا رہتا ہے

تم نے اپنے خط میں بدخشاں سے دوری کا جو عذر پیش کیا ہے وہ قابل سماعت ہے تم کو بتایا جاتا ہے کہ بادشاہی کی ذمہ داری سے بڑھکر اور کوئی ذمہ داری نہیں اور اسکے لئے عذر و معذرت بہت بری ہے

تمہارے خط کی عبارت اور الفاظ قابل اعتراض ہیں واقعہ یہ ہے کہ تم کو خط لکھنے کا کافی سلیقہ نہیں تم اپنی لیاقت کے اظہار میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو جو خط میں لکھنے مناسب نہیں ہیں اور اسی وجہ سے تم اس فن میں ناکام رہتے ہو خط میں شاعرانہ لفاظی کی ضرورت نہیں ہمیشہ صاف اور سادہ الفاظ میں خط لکھا کرو جس سے لکھنے والا اور پڑھنے والا دونوں دماغی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

اس خط میں بابر نے شہزادہ کامران کے متعلق چند الفاظ لکھے ہیں جنمیں انہیں کامران کی لیاقت اور معاشرت کی تعریف کی ہے اور کسی قسم کا شبہ ظاہر کئے بغیر اسپر شفقت و مہربانی کا اظہار کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ کامران ہمایوں کا معین و مددگار رہے آخر میں بابر نے اپنے تجربہ اور خیال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے کہ کامران ہمایوں کی امداد و اعانت سے کبھی دریغ نہ کریگا اس خط میں بابر نے ہمایوں کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ خواجہ کلاں و کلاب کے سلطان میں ہمیشہ اپنا خیرخواہ و دوست بنائے رکھے لیکن بابر کی ہدایت کے بموجب ہمایوں کو خواجہ کلاں کے معاملہ میں ناکامی ہوئی بابر کے مرنے پر خواجہ کلاں نے ہمایوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور کامران سے جا ملا البتہ سلطان کولاب اس کا دوست اور خیرخواہ بنا رہا۔

پانچویں فصل

بابر کے لڑکے

اور چونکہ بابر کے لڑکوں کا ذکر آ چکا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم اس موقع پر بابر کے تمام لڑکوں کا تذکرہ کر دیں تاکہ بابر کے خاندان کے تمام حالات نظر کے سامنے رہیں

بابر کے تین لڑکے تھے سب سے بڑا بیٹا ہمایوں تھا جو بابر کے بعد اسکا جانشین ہوا اور جس سے بابر کو غیر معمولی محبت تھی لیکن اسکے اظہار کو وہ پسند نہ کرتا تھا۔

دوسرا لڑکا کامران تھا جس سے اگرچہ بابر کو اتنی محبت تو نہ تھی جتنی کہ ہمایوں کیساتھ تھی لیکن اسکے اخلاق و عادات، معاشرت اور ذاتی قابلیت کا وہ مداح تھا اور اپنے تجربہ کی بنا پر اس کا خیال تھا کہ ہمایوں کی کمزوریاں کامران کی اطاعت سے پردہ میں چھپی رہیں گی کہ کامران ہمایوں کی اعانت سے کبھی دریغ نہ کریگا۔

تیسرا لڑکا کامران کا حقیقی چھوٹا بھائی ہے جسکا نام تاریخوں میں عسکری بیان کیا گیا ہے جسکے لفظی معنی لشکر کے اندر پیدا ہونے کے ہیں بابر نے تزک میں اپنے اس لڑکے کی پیدائش کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عسکری کی ولادت ۱۵۱۶ء (۹۲۲ھ) میں ہوئی یہ زمانہ بابر کی لشکری اور جنگی زندگی کا زمانہ تھا تزک میں اس کا ذکر سب سے پہلے اس موقع پر آتا ہے جبکہ جنگ پانی پت کے بعد بابر نے اسکو تحائف روانہ کئے ہیں اور اسکا درجہ ہندال کے برابر رکھا گیا ہے عسکری اور ہندال کی عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا۔

۱۵۲۶ء میں عسکری ملتان میں تھا لیکن اسکی تقرری کا ذکر تزک میں نہیں پایا جاتا غالباً تزک میں ۲ اپریل سے ۱۸ دسمبر تک کا جو خالی زمانہ ہے اور جسکے واقعات سے تزک کے صفحات خالی ہیں اسی خالی زمانہ میں غالباً عسکری کا تقرر ہوا تھا اسکے بعد عسکری آگرہ میں آگیا اور شاہی خاندان کیساتھ اپنے باپ کے پاس رہا ۲۲ دسمبر تک اسکا قیام آگرہ میں رہا اس زمانہ میں وہ فوجی لباس زیب تن کئے ہوئے مشرقی اضلاع کی جنگ کیلئے تیاریاں کر رہا تھا اور افسروں کی خاص مجلسیں اس مہم پر مشورہ کرنے کیلئے اسکی رہنمائی

میں منعقد ہوتی تھیں۔ کسقدر تعجب کی بات ہے کہ بارہ سال کی عمر کا لڑکا عسکری اور فوجی مہم میں صلاح و مشورہ کی رہنمائی یقیناً اسکو ابھی چند سال تک فنون جنگ حاصل کرنیکی ضرورت تھی لیکن جن بچوں نے باپ کے بارہ سال کی عمر میں بادشاہی کے فرائض انجام دیئے ہوں اور جنگ کی رہنمائی کی ہو اور ساری عمر جنگوں ہی میں بسر ہوئی ہو اسکے بچوں میں ایسی قابلیت کا ہونا زیادہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ ہمایوں نے گیارہ سال کی عمر میں بدخشاں کی حکومت کی اور پھر باپ کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیا تھا۔

۸ دسمبر کو بابر نے عسکری کو غیر معمولی امتیازات مرحمت فرمائے یعنی مرصع خنجر کمر بند اور شاہی خلعت فاخرہ کیساتھ اسکو سپہ سالار اعظم کا منصب جلیل بھی بخشا گیا۔ نقارہ جنگ اسکو عطا ہوا اعلیٰ قسم کے گھوڑے دس ہاتھی اونٹ خچر ڈیرے اور باربرداری کا تمام سامان مرحمت ہوا۔ ۔ بادشاہزادگی کے بعد دربار کی اجازت بھی عطا ہوئی اور شاہی دربار میں خاص مسند مرحمت فرمائی گئی عسکری کو ان عطیات ولوازمات میں گھوڑے بہت پسند آئے بارہ سال کی عمر تھی اسکو سواری کیلئے گھوڑے ہی پسند آنے چاہیے تھے۔ لیکن باپ کے عطیہ کا اس کو کیا اثر ہوا ہوگا اور جب اسنے ان کو مثالوں کو دیکھا ہوگا تو کس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے ہونگے۔

عسکری ۱۴ دسمبر کو اپنے باپ سے جبکہ وہ ...میں تھا رخصت ہو کر مشرق کی سمت روانہ ہوا اور جنگوں میں مصروف ہو گیا تو زک میں اگرچہ اسکی جنگوں کی تفصیلات پائی جاتی ہیں لیکن اس کی ذات خاص کے متعلق ایک حرف بھی نظر نہیں آتا اسکے بعد وہ کامران کا ساتھی مخالفت بنا اور ہمایوں کیساتھ آخر تک وفاداری کی یہانتک کہ اس وفاداری میں اس نے تیموری خاندان کو اپنا دشمن بنالیا۔

چوتھا لڑکا ہندال تھا جس کا ذکر تاریخوں میں اور تو زک میں تفصیل سے پایا جاتا ہے

بابر اپنے تمام بچوں کو اکثر تحائف روانہ کیا کرتا تھا ۱۵۲۸ء میں جو تحائف اُس نے بھیجے تھے اُن میں ہندال کے لئے ایک جڑاؤ قلمدان، سیپ کی ایک جڑاؤ کرسی اور ایک خلعت بھی تھا دس برس کے بچے کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔

چھٹی فصل

شاہی خاندان کی خواتین کی ہندوستان میں آمد

۱۵۲۹ء میں بابر کا یہ حکم کابل پہنچا کہ شاہی خاندان کی خواتین فوراً کابل سے روانہ ہو کر دہلی پہنچیں اس حکم کے پہنچنے پر باہمی مشورہ ہوا کہ کیا کیا جائے بعض لوگ اس پر آمادہ تھے کہ دہلی جانا چاہیئے اور بعض اپنی ذاتی دلچسپیوں کے سبب کابل ہی میں رہنا پسند کرتے تھے۔ پھر یہ بات معرض بحث میں آئی کہ آیا کابل کو بالکل چھوڑ دیا جائے اور سب کے سب بالکل روانہ ہو جائیں یا دور دراز مسافت و صعوبات سفر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اس بحث و مشورہ میں کافی وقت صرف ہو گیا اور روانگی میں دیر ہو گئی۔

بابر نے جو حکم کابل بھیجا تھا وہ مختلف فرقوں کے نام تھا جس میں لکھا تھا کہ اپنے تمام سامان خانہ داری کے ساتھ وہ دہلی آئیں بابر کا مقصد یہ تھا کہ خاندان کے تمام افراد اس کے ساتھ ہندوستان میں رہیں اور وہ ان کے درمیان مسرت بخش زندگی بسر کرے۔

کابل میں شاہی خاندان سے جو خواتین متوسل تھیں اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی ان میں سے بعض سے مادری رشتہ تھا اور بعض سے سسرالی اور یہ سب تیموری خاندان کی شاخوں سے وابستہ تھیں باہم ان میں مقاصد کا اختلاف بھی تھا اور اُن میں سے اکثر کامران و عسکری کی حکومت سے جو کابل میں حکمران تھے ناراض یا ناخوش تھیں۔

خواجہ کلاں نے بابر کو ایک خط لکھا تھا جو ۔۔ فروری ۱۵۲۸ء کو بابر کے لشکر گاہ میں پہنچا اس خط میں کابل کے تمام صوبجات ملکی کے متعلق حالات درج تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ نامہ بر کابل کے تمام حالات سے آپکو آگاہ کریگا بابر نے ۱۱ فروری ۱۵۲۸ء کو اس خط کا جواب لکھا جس میں تحریر تھا۔

"اور تم کابل کی غیر مطمئن و غیر منتظم حالت کو دیکھتے رہنا اور اس جانب پوری توجہ رکھو۔ میں کافی غور و تامل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس ملک میں سات آٹھ شخص حکمران ہوں اور مختلف اشخاص کے ہاتھوں میں جسکا انتظام ہو وہاں کا کوئی انتظام درست نہیں رہ سکتا ایسی حالت میں مناسب یہی ہے کہ میں اپنی بہنوں اور اپنے خاندان کی خواتین کو ہندوستان بلالوں اور پھر کابل کے تمام اطراف و جوانب اور مملکت کے اضلاع کا انتظام ہمایوں اور کامران کے حوالہ کر دوں چنانچہ اُسکے متعلق میں نے ہدایات جاری کر دی ہیں۔ تم اس خط کو دیکھتے ہی میری بہنوں اور خاندان شاہی کی خواتین کے پاس جاؤ اور انکو اطلاع دو کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر کابل سے اپنی روانگی کا انتظام کرلیں اور فوراً روانہ ہو جائیں میں نے انکو لانے کیلئے ہندوستانی لشکر بھیجدیا ہے وہ سرحد پر انکا انتظار کریگا اگر وہ روانگی میں تاخیر کریں گی تو سخت دشواریاں پیش آئیں گی اور ملک کا بھی نقصان ہوگا۔"

بابر نے اپنے خط میں جن سات آٹھ حکمرانوں کا ذکر کیا ہے وہ کون تھے وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھے ہندوستان کی سیاہ کے چنے ہوئے سردار تھے اور مہدی خواجہ بھی اس خط کے پہنچنے سے پہلے انہیں اکر شامل ہو گیا تھا۔ بابر نے

اس خط میں اپنی بہنوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس جانب کہ اگرچہ ان کے مرد ہندوستان میں لیکن کابل میں ان کا اثر عورتوں کے توسل سے ضرور پایا جاتا ہے اور مخالفت کی فضا پیدا ہو رہی ہے۔ بابر کی بہنوں میں ایک خانزادہ تھی جس کا شوہر مہدی خواجہ تھا جو اس وقت کابل میں موجود تھا اور خانزادہ کو اس سے بڑی تقویت تھی پھر وہ خود بھی معقول اثر و اقتدار رکھتی تھی اور بابر پر بھی اس کا معقول اثر تھا اس نے ایک مرتبہ اپنی شادی سے پہلے بابر کیساتھ ایسی ہمدردی ظاہر کی تھی جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے بابر سخت بیمار تھا اور اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اس حالت میں خانزادہ نے اپنی زندگی کو بھائی پر نثار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ اس پر بالکل تیار ہو گئی تھی۔

طبقات میں لکھا ہے کہ خانزادہ کا شوہر مہدی خواجہ تھی زبردست شخصیت کا مالک تھا جس کو بابر جیسا فاتح اور ہوشمند بادشاہ کا جانشین تجویز کیا گیا تھا یہ اکبر کے ساتھ ہوا ہے بابر کی دوسری بہن شہر بانو تھی جو خانزادہ کی سوتیلی بہن اصفہان کے بھائی جنید برلاس کی بیوی تھی اس کا ایک لڑکا بھی تھا اور غالباً عمر شیخ کی ایک لڑکی یادگار بیگم بھی انہیں دنوں کابل میں تھی۔ بابر کی حقیقی بہنوں کے علاوہ چند منہ بولی بہنیں بھی تھیں جن میں سے ایک سلیمہ کی ماں تھی اس کی آرزو تھی کہ بدخشاں کی موروثی سلطنت جلد بابر کو مل جائے تا کہ اس کا نصیب کھل جائے اس کے علاوہ تین اور منہ بولی بہنیں تھیں جو تیموری خاندان کے مشہور شخص سلطان حسین مرزا کے تین پوتوں کی بیویاں تھیں ان کے نام محمد سلطان مرزا، قاسم حسین سلطان مرزا، محمد سلطان مرزا ہیں۔

عہ خاندان شاہی کی اور عورتیں بھی تھیں جو اس وقت کابل میں موجود تھیں ان میں سے ایک کا نام مہربانو بیگم تھا وہ ایک سلطان کے حرم میں داخل تھی اور دوسری رقیہ تھی ایک افغان کی بیوی تھی۔ رقیہ کا انتقال شادی کے کچھ عرصہ بعد ہو چکا تھا بابر نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں میں اپنے روزنامچہ میں اپنے اجداد کا نسب نامہ لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں رقیہ کا انتقال ہوا ہے یہ غالباً ۹۲۵ھ کا واقعہ ہے۔ مؤلف

تھیں مغل ہندوستان میں تھے اور جلیل القدر مناصب پر سرفراز تھے

ظاہر ہے کہ کابل میں اس قسم کی شاہی خواتین کا اثر و اقتدار کیا ہوگا اور انکے اختلافات سے مملکت کے انتظام میں کیا کیا خرابیاں رونما ہوتی ہوں گی پھر بابر کے سوتیلے بھتیجے یادگار ناصر کا خاندان بھی کابل ہی میں تھا اور بابر کی بیویاں بھی موجود تھیں ان تمام مفاسد اور مناقشات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو ان خواتین کی کھینچا تانی سے کابل میں رونما ہونے ضروری تھے بابر نے مناسب سمجھا کہ ان کو ہندوستان بلالے اور اپنی نگرانی میں رکھے۔

تیموری خاندان کی دو خواتین فخر جہاں اور خدیجہ بابر کی پھوپیاں تھیں اور ۱۵۲۸ء میں ہندوستان جا چکی تھیں فخر جہاں ایک ترمذی سید کی بیوی تھی یہ شخص علماء کے خاندان سے تھا اور اسکا خاندان شاہی دربار میں خاص تعلق رکھتا تھا خود ترمذی بابر کے لشکر میں ملازم تھا خدیجہ کے شوہر کا ذکر تزک میں نہیں ہے نہ گلبدن بیگم نے اس کا کوئی ذکر کیا ہے۔

محرم ۹۳۵ھ میں بابر نے اپنی ان پھوپیوں اور بعض دوسرے رشتہ داروں اور ملازموں کو اس لیے ہندوستان بلا لیا ہو کہ وہ اسکے اثر و اقتدار کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی قسمت کی یاوری مشاہدہ کریں فخر جہاں اور خدیجہ اپنے بچوں کو لیے ہوئے ہندوستان آ گئی تھیں ۲۴ نومبر کو جب یہ بابر کے لشکر میں پہنچیں تو بابر نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا اور ساعت سعید میں انکو لیجا کر اس محل میں ٹھہرایا جو آگرہ میں ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا فخر جہاں اور خدیجہ گیارہ مہینے ہندوستان میں رہیں اور اس سے پہلے کہ یہ خود کابل واپس جانیکی خواہش ظاہر کریں ۱۲ ستمبر ۱۵۲۹ء کو بابر نے فخر جہاں کو کابل روانہ کر دیا اور خدیجہ کو ایک ہفتے کے بعد رخصت کیا گیا کیونکہ کچھ معاملات ایسے تھے جن میں خدیجہ سے خاص طور پر گفتگو کرنی تھی

بابر نے ہندوستان فتح کرنے کے بعد یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے
خاص کاموں کو شروع کیا کرتا تھا چنانچہ اُس نے دوسرے جمعہ کی نماز پڑھ کر خدیجہ کو
کابل روانہ کر دیا۔

۱۷ اکتوبر کو خنزہ جہاں و خدیجہ کی بہنیں مضافات کابل میں داخل ہوئیں
اور ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا بابر انہیں بہنوں کے ذریعہ کابل کے حالات معلوم کیا
کرتا تھا اور جو خبریں ان کے توسل سے سکو ملتی تھیں انہیں کے موافق احکام جاری
کرتا تھا چنانچہ خواتین شاہی کی طلبی بھی اسی طریقہ عمل سے آئی تھی:۔

بابر کے روزنامچہ میں ان پھوپھیوں کا ذکر اکثر آتا ہے یہ جب ان کا ذکر کرتا ہے تو انکی
عمر و رتبہ کے لحاظ سے انکو خاص القاب سے یاد کرتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ بابر ان کو
خاندان کا سرپرست خیال کرتا اور ان کے تمام مصارف مہیا کرتا ہے اُسے ہر بات
میں صلاح و مشورہ لیتا اور ان کی نصیحت پر عمل کرتا ہے بابر اپنے مصائب و تکالیف
کا بھی ان سے ذکر کرتا اور انکی ہمدردی حاصل کرتا ہے ان کی آؤ بھگت اور تعظیم
و تکریم کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی ان کی غیر معمولی عزت کرتے ہیں۔

کابل سے خواتین کی روانگی کا ذکر بابر نے تفصیل سے کیا ہے اور گلبدن بیگم
نے بھی تشریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے گلبدن کی عمر اسوقت پانچ چھ سال کی تھی
اور اس منظر کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

۱۲ جنوری ۱۵۲۹ء کو بابر نے سُنا کہ خواتین کابل سے روانہ ہو گئی ہیں ہمایوں کی
والدہ ماہم جنوری ۱۵۲۹ء میں سب سے پہلے روانہ ہو چکی تھی یہ ایک خاص دستہ کی حفاظت
میں آئی تھی اور سواروں کا یہ دستہ بہت تھوڑے آدمیوں پر مشتمل تھا اس دستہ نے
مسافت کو تیزی سے طے کیا اور یہ بہت جلد آگرہ پہنچ گیا بقیہ خواتین ایک بڑے قافلے کے
ساتھ ہفتہ کے بعد پیچھے کابل سے روانہ ہو کر آگرہ پہنچیں۔ کابل سے خواتین کی روانگی

جنوری سے آخر فروری ۱۵۲۹ء تک ہو گئی ہوگی اور انکے قافلے ۲۲ مارچ تک آگرہ پہنچ
گئے ہوں گے اور یہ سفر عموماً گھوڑوں پر ہوا ہوگا مگر ممکن ہے کہ بعض خواتین نے پالکیوں کے
ذریعہ اس سفر کو طے کیا ہو۔ اس سفر کیلئے جو راستہ اختیار کیا گیا ہوگا وہ تنگاک کا راستہ
ہوگا جو جلالک سے گذرتا ہوا جلال آباد اور خیبر تک پہنچتا ہے لیکن یہ قیاس ہی قیاس
ہے کسی معتبر ذریعہ سے اس سفر کے راستہ کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ گلبدن بیگم نے
یہ سفر ماہم کے ساتھ طے کیا تھا اور اس کی بہنیں دوسرے قافلوں کے ساتھ آئی تھیں
آگرہ میں جس شان سے ماہم کا استقبال ہوا تھا گلبدن بیگم نے اسکو اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہوگا اور عزت و احترام کے اس منظر نے اسکی اذیت و تکلیف کے احساس کو
بھلا دیا ہوگا جو اس نے اس طویل مسافت میں برداشت کی ہوگی۔ گلبدن بیگم نے
کابل سے روانگی اور آگرہ میں پہنچنے کے تمام حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن سفر
کے حالات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

خواتین کی کابل سے روانگی کے بعد آگرہ پہنچنے تک بابر اور ان کے درمیان
خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا انہی دنوں میں بابر نے شیرک نامی ایک نامہ بر کے
ہاتھ ماہم کو ایک خط اور توزک کا ایک نسخہ بھی بھیجا تھا تزک کا یہ نسخہ اصل میں سمرقند
بھیجنے کیلئے لکھا گیا تھا لیکن ماہم سے خاص محبت ہونے کے سبب اسکو بھیج دیا گیا۔

گلبدن نے اپنے آگرہ پہنچنے کے واقعات نہایت دلچسپ انداز میں لکھے ہیں
چونکہ وہ اسکی کتاب میں موجود ہیں اسلئے یہاں انکے اندراج کی ضرورت نہیں ہے۔

جس روز گلبدن اور ماہم آگرہ پہنچی ہیں تو اس روز گلبدن کو باپ کے حضور میں
پیش نہیں کیا گیا دوسرے روز گلبدن اپنے باپ کے حضور میں حاضر ہوئی جہاں [illegible] کا

عہ تزک [illegible]
[illegible]
[illegible]

دھندلا سا خاکہ اس کے دماغ میں محفوظ سا ہو وہ کبھی ہے کہ بابر کی شخصیت کا رعب
اس پر غالب ہو گیا تھا وہ انتہا درجہ کی خوف زدہ تھی اور جو واقعات پیش آئے وہ ان کو
محفوظ نہ رکھ سکی یہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس ملاقات کا ذکر تفصیل سے نہیں
کیا ہے۔

چند روز میں گلبدن بیگم کا خوف زائل ہو گیا اور وہ باپ کے حضور میں خوش و خرم
رہنے لگی وہ اب انتہا درجہ کی خوشی محسوس کرتی تھی اور بابر بھی اسکو دیکھکر خوش ہوتا
تھا جس باپ کو خداوند تعالیٰ نے ایسی ذہین سمجھدار اور قابل لڑکی عطا کی ہو وہ کیونکر
اس کو دیکھ کر خوش نہ ہو۔ گلبدن کی ذاتی قابلیت کا اندازہ اس کی کتاب ہی سے نہیں
ہوتا بلکہ ان واقعات سے بھی ہوتا ہے جو بچپن میں پیش آتے رہے۔ یہاں ہمیں بچپن کے
جذبات اور شوخی کے ساتھ متانت و سنجیدگی بھی ملتی ہے اور وہ واقعات کی رفتار سے
نتائج کے استخراج کا خاص ملکہ رکھتی تھی پھر جب وہ سن شعور کو پہنچی تو اس نے اپنی خدا
داد قابلیت سے کام لیا اور باوجود تصنیف و تالیف کے عادی نہ ہونے کے اس کے
قلم سے وہ خوشنما۔ اعلیٰ خیالات اور پاکیزہ جذبات نمایاں ہوئے جن کی کسی کو توقع
نہ تھی وہ ہر حال میں مستقل مزاج رہتی تھی مصائب و مشکلات میں پریشان نہ ہوتی
تھی اور تمام تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتی تھی۔

بابر اور گلبدن بیگم آگرہ پہنچنے کے بعد عیش و عشرت کیساتھ زندگی بسر کرنے
لگیں ان کی زندگی کے یہ ایام نہایت مسرت بخش تھے بابر ان کو دھولپور اور سیکری
لیجاتا اور وہاں کی شاہی عمارتوں اور پُرلطف مناظر کی سیر کراتا بابر کو تعمیرات کا غیر معمولی
شوق تھا اور بہترین مناظر سے خاص دلچسپی رکھتا تھا وہ آگرہ کے خشک علاقے سے
ناخوش تھا اور اس کے اطراف کے بدصورت اور بھدے مناظر سے اسکو اذیت ہوتی
تھی چند روز میں اُس نے آگرہ کے مناظر کو یکسر تبدیل کر دیا اور ایک ایسی حسین اور

خوبصورت بنگلہ بنوایا جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس زمانہ میں تاج گنج مسجد نہ تھا اور سکندرہ اور سیکری کی عمارات کا وجود بھی نہ تھا لیکن پھر بھی اس نے وہاں ایسی عالیشان عمارات اور خوبصورت مناظر تیار کئے تھے کہ آگرہ کا خشک علاقہ دلہن بنگیا تھا۔

دھولپور اور سیکری میں جو عمارات بابر نے تیار کرائی تھیں ان کا ذکر گلبدن بیگم نے کیا ہے وہ کہتی ہے کہ شاہ بابر نے سیکری میں دوسری شاندار عمارات کے علاوہ ایک خاص عمارت تیار کرائی تھی جس میں شاہ بابر تشریف رکھتے اور اپنی کتاب تزک لکھا کرتے تھے۔ اس مقام پر ۱۵۲۷ء میں ایک جنگ بھی ہوئی تھی جو رانا سانگا کی جنگ کہلاتی ہے۔ اس جنگ کے واقعات سے کان اس قدر آشنا ہیں کہ انکو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا غالباً اسی جنگ کی بدولت بابر کو شاہ غازی کا خطاب ملا تھا۔ یہ جنگ اس نے خلوص نیت کیساتھ محض دین الٰہی کی تھی۔ گلبدن بیگم سلسلہ واقعات میں لکھتی ہے کہ " ان جنگوں کے بعد ہمارے آگرہ پہنچنے پر دوسری خواتین کا قافلہ خانوہ کی سرائے میں آگرہ کے قریب پہنچا شاہنشاہ نے اسکا استقبال کیا لیکن محل میں اس قافلہ کی آمد کا کوئی ذکر نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ فروگذاشت اس بنا پر ہو کہ بابر کے لئے یہ زمانہ انتہائی پریشانی و انتشار کا زمانہ تھا۔

ساتویں فصل

ہمایوں کی عمارات

موسم گرما ۱۵۲۹ء میں ہمایوں نے بدخشاں میں سنا کہ اس کا باپ بابر بیمار ہے یہ خبر سنتے ہی وہ باپ سے اجازت اور رخصت لئے بغیر بدخشاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا کابل پہنچنے پر اس کی ملاقات کامران سے ہوئی جہاں ہندال غزنی

[illegible]

سے آیا تھا دونوں نے مشورہ کیا اور باہمی قرارداد کے بعد ہندال کو جس کی عمر اسوقت دس سال کی تھی یہ ترغیب دی کہ وہ بدخشان کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لے۔

کابل سے روانہ ہو کر ہمایوں ٹھیک اسوقت آگرہ پہنچا جبکہ ماہم بابر کو ہمایوں کے متعلق مشورات دے رہی تھی ماہم کو ہمایوں کے آنے کی یقیناً خبر ہوگی اور وہ آگرہ میں اسکے لئے بابر کو ہموار کر رہی ہوگی۔

بابر ہمایوں کے اس طرح یکایک چلے آنے اور بدخشان کے تخت کو چھوڑ دینے پر سخت ناراض تھا بابر کے خیال میں بدخشاں کو اس طرح چھوڑ دینا سخت خطرات کا موجب تھا وہ جانتا تھا کہ اگر اس حالت میں پہاڑ والوں کے اوپر سے کوئی آگیا اور بدخشاں کے تخت کو خالی پاکر اسکے علاقہ پر قابض ہوگیا تو پھر کچھ بنائے نہ بنے گی کامران اور ہمایوں دونوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور بابر کے خطرات درست ثابت ہوئے۔

بابر نے چند روز بعد ہمایوں کو مشورہ دیا کہ وہ بدخشاں چلا جائے ہمایوں نے جواب میں ظاہر کیا کہ اگر عالیجاہ کا حکم ہوگا تو مجھے بدخشاں جانے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ہمایوں اصل میں بہانے کر رہا تھا اور آگرہ سے باہر جانا نہ چاہتا تھا بابر نے جب ہمایوں کے منشار کو دریافت کرلیا تو خلیفہ کو بدخشاں چلے جانیکی ہدایت کی لیکن خلیفہ نے بھی اسکی پروا نہ کی خلیفہ نے یہ سمجھا کہ اس میں بابر کی کوئی چال ہے اور وہ اس کو اسلئے بدخشاں بھیجنا چاہتا ہے کہ اس کا کبھی دہرا سب ٹھکانا کہیں مل جائے

خلیفہ نے جب اپنا عذر بابر کے حضور میں پیش کیا تو بابر نے اس محبت و مروت کی بنا پر جو اسکو خلیفہ سے تھی اور قدرت نے خاص طور پر اسکو بخشی تھی اس عذر کو قبول کرلیا پھر یہی خیال کیا کہ ایسی حالت میں جبکہ وہ بیمار ہے خلیفہ کا آگرہ سے باہر چلا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے خلیفہ ایک سیانا اور عقلمند شخص تھا ممکن ہے کہ

بدخشاں نہ جانے کا جو عذر اس نے پیش کیا ہو اس میں اسکی کوئی سیاسی چال ہی ہو۔
مختصر یہ کہ نہ تو ہمایوں بدخشاں گیا اور نہ خلیفہ اور قدرت نے اس کا فیصلہ یہ کر دیا کہ بدخشاں اس کے حقیقی وارثوں کے ہاتھوں میں پہنچ گیا یعنی اس پر میران شاہی خاندان کے سلیمان مرزا نے قبضہ کر لیا اس کی عمر اسوقت صرف سولہ سال کی تھی
اس زمانہ میں ہمایوں جوانی کے غرور میں بھرا ہوا تھا وہ اپنی جاگیر سنبھل میں عیش و عشرت کے اندر منہمک تھا اس کو اس طرح زندگی بسر کرتے ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ وہ بیمار ہوا اور اس بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔

آٹھویں فصل

بابر کی وفات

ہمایوں کی بیماری نے جب طول کھینچا اور اس کی زندگی سے مایوسی ہو گئی تو بابر نے اپنے آپ کو ہمایوں کی جان کے عوض پیش کیا اور بیٹے پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا بابر کی اس قربانی کا ذکر تمام تاریخوں میں پایا جاتا ہے جس کا ذکر یہاں طوالت کا موجب ہوگا ہم یہاں گلبدن کے الفاظ میں صرف ان رسموں کا ذکر کرتے ہیں جو بابر نے اس سلسلہ میں ادا کی تھیں۔
گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ یہ مشرق میں عام عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ اگر اپنی سب سے قیمتی چیز کو مریض پر قربان کر دیا جائے اور منت مانی جائے اور یہ منت اور قربانی قبول ہو جائے تو مریض کو شفا ہو جاتی ہے اس قربانی سے قطع نظر منت کی رسم بہت سادہ تھی پہلے درگاہ رب العزت میں مریض کے شفا پانے کی دعا کی جاتی تھی پھر نماز پڑھ کر مریض کے گرد تین مرتبہ طواف کیا جاتا تھا۔
بابر کے خلوص و محبت کو دیکھتے ہوئے اس امر کا فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے لخت جگر بیٹے کی جان کے عوض خداوند تعالیٰ کے حضور میں پیش

کر دیا تھا اس دعا اور نذر کے بعد تین مرتبہ طواف بیٹے کے گرد طواف کیا اور اس کے
مرض کو اپنے اوپر لے لیا چنانچہ اس قسم کی دلدگی کے بعد ہمایوں تو اچھا ہو گیا اور بابر
نے چند روز بیمار رہ کر وفات پائی۔ ہمایوں موت کے دروازہ کے پاس سے واپس آگیا
اور ہمایوں کے عوض بابر اس دروازہ میں داخل ہو گیا لیکن بابر کی یہ قربانی کامل
قربانی نہ تھی وہ خود ہی عرصے سے بیمار تھا قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا اور اپنی موت
کا کامل یقین اسکو ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد بابر کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی اس نے فوراً اپنی
لڑکیوں گلبدن بیگم اور گل چہرہ کی شادیوں کا انتظام کیا امراء سے اس امر میں مشورہ
لیا گیا اور ہمایوں سے دریافت کیا گیا پھر بابر نے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کیا
اور اس کی رسمیں ادا کی گئیں اور ۲۶۔ دسمبر ۱۵۳۰ء کو اسنے داعی اجل کو لبیک کہا
گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ شاہ بابا کی وفات سے دن تیرہ و تار ہو گیا اور ہم سب نے
اس قیامت خیز دن کو گوشوں میں چھپ کر غم و الم میں گذارا۔

خلیفہ نے ہمایوں کو تخت و تاج سے محروم رکھنے کیلئے جو سازشیں اور کار
روائیاں کی تھیں وہ نہایت دلچسپ ہیں وہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کے بجائے محمد
مہدی خواجہ خانزادہ بیگم کو تخت و تاج دیا جائے۔

نظام الدین مصنف طبقات نے اس واقعہ کے متعلق بہت سی باتیں لکھی
ہیں جن میں سے چند باتوں کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ

"بابر کو عرصے سے اس امر کا احساس ہو گا کہ جس قوت سے میں نے
ہندوستان کو فتح کیا ہے اور ہندوستان کی ناموافق آب و ہوا کا
مقابلہ کر کے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے مسلسل علالت
کے سبب سے اب جسم میں وہ طاقت باقی نہیں رہی ہے ایسی حالت میں

جانشین کا تقرر ضروری ہو اس نے نہ تو ہمایوں کو بدخشان سے بلایا تھا
اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ ہمایوں ہندوستان میں قیام پذیر ہے لیکے
پاس عسکری مرزا موجود تھا جو ہندوستان کی سپاہ کا ایک با اثر اور طاقتور
سپہ سالار تھا وہ جب زندگی کے آخری سانس کو گن رہا تھا تو اس کو اسکی بھی
آرزو تھی کہ وہ ہندال کو دیکھے اور اپنے پاس اسکو پائے۔ بابر اور خلیفہ
دونوں کو ہمایوں کے متعلق کافی تجربہ تھا اس کی کمزوریاں انکی نگاہوں میں
تھیں ایسی حالت میں اگر خلیفہ اس امر کا متمنی ہو کہ ہمایوں کو تخت وتاج
سے محروم کر دیا جائے تو کچھ بیجا نہ تھا اور بابر بھی اسکے ارادہ سے واقف ہوگا
پھر خلیفہ کی یہ تمنا بھی بابر کے خیالات پر مبنی ہوگی اور اسکو اس کا علم ہوگا
کہ بابر بھی ہمایوں کے خلاف ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خلیفہ کو ہرگز اس دخل در
معقولات کی جرأت نہ ہوتی اور وہ اپنی دوستانہ وفاداری کو کبھی خطرہ میں نہ
ڈالتا بہر حال بابر اور خلیفہ دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ تھے
اور اس کا علم بھی دونوں کو تھا کہ امرا بھی ہمایوں کے خلاف رائے رکھتے ہیں

محمد مہدی خواجہ ان لوگوں میں سے ہے جس کی پیدائش اور نسب
کا کسی کو صحیح علم نہیں بابر اور گلبدن اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔
ممکن ہو کہ فروگذاشت اس لئے ہوئی ہو کہ بابر جس پہلے محمل خواجہ سے ملا ہے
وہ وہ زمانہ ہے جس کے واقعات بابر نے نہیں لکھے ہیں۔

نظام الدین کے بیانات میں یہ امر بالکل صداقت پر مبنی ہے کہ خواجہ کے حسب
ونسب کا صحیح پتہ نہیں وہ کہتا ہے کہ مہدی وہ شخص ہے جس نے بابر کی کوشش سے
خاص مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور بڑے مناصب پر پہونچ گیا تھا تاریخی دلائل سے اتنا
پتہ چلتا ہے کہ خواجہ باپ کی طرف سے ترمذی سید تھا اور ماں کی طرف سے تیموری النسل

باپ کے اعتبار سے اسکے ترمذی ہونیکا ایک اور ثبوت یہ بھی ہو کہ مہدی و خانزاد بیگم کی قبریں جہاں پائی جاتی ہیں وہیں ابوالمعالی ترمذی کا بھی مزار ہے

میرا خیال ہے کہ ہمایوں کو تخت و تاج سے محروم رکھنے کا جو ارادہ کیا گیا تھا وہ صرف ہندوستان کے تخت و تاج سے تعلق رکھتا ہوگا یا بابر کے وسیع مقبوضات میں سے صرف ایک حصہ پر اور یہ خیال ہوگا کہ جس طرح ابو سعید بابر کے دادا نے اپنے مقبوضات کو اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا ہوگا اسی طرح بابر اپنے ملک کو تقسیم کر دے گا۔

خیال کیا جاتا ہو کہ بابر کا ارادہ یہ تھا کہ ہندوکش کے اس طرف دریائے آکسس کے اس پار ہمایوں کا عمل دخل رہے اگر ہمایوں بابر کے حکم کے مطابق بدخشان چلا جاتا تو یقیناً اس تجویز پر عمل کیا جاتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہندوستان کس کے سپرد کیا جاتا اس کے متعلق کہیں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔

واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں کو تخت و تاج سے محروم رکھنے کی حکایت میں نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہو کامران کا بیان ہو کہ کابل اسکی ماں گلرخ بیگم کو دیا گیا تھا اور ہمایوں نے بھی اپنی تخت نشینی کے بعد کامران کی جنگی خدمات کے صلہ میں کابل بطور جاگیر کے اس کو عطا کر دیا تھا لیکن اس منظر پر ایسی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں کہ اصل حقیقت نظر نہیں آتی۔

ہمایوں بدخشاں کی حکومت چھوڑ کر ہندوستان آیا اس کی ماں ماہم بیگم موجود تھی اور اسکے سامنے کسی کی نہ چلی مہدی خواجہ کو وارث تخت و تاج بنانے کے منصوبے خاک میں مل گئے اور خلیفہ کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں پھر ہمایوں جب خود بابر کے حضور میں حاضر ہوا ہے تو اس کا سارا غصہ فرو ہو گیا اور آخر وہی ہندوستان کے سارے مقبوضات کا شہنشاہ بنا۔

بابر کی وفات کے وقت گلبدن کی عمر زیادہ نہ تھی جو واقعات اسوقت اس کے سامنے گذرے تھے اُن کا اثر اُس پر ضرور پڑا ہوگا۔ سگے بھائی الور کا آنا بیگری میں جو گلبدن پر جو حادثہ ہوا تھا اس سے متاثر ہونا۔ باپ کی نیک نیتیاں اور درویشانہ طریقہ اختیار کرنا ہمایوں کا دفعتہ بدخشان سے آنا اور اسکے خطرات۔ ہمایوں کی خطرناک علالت۔ اسکی زندگی کی تمنا میں باپ کا رسوم کرنا اور منتیں ماننا۔ اس منت کے پورے ہونے کا خوفناک نتیجہ۔ بابر کی وفات۔ یہ تمام وہ اہم واقعات ہیں جنکو گلبدن بیگم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن سے نتائج حاصل کیے ہونگے۔

بابر کی وفات کے بعد چالیس روز تک سوگ منایا گیا اور آگرہ کے آرام باغ میں جہاں بابر کو دفن کیا گیا تھا چڑھاوے چڑھتے رہے مخلوق فاتحہ کو برابر آتی رہی اور روشنی کا سلسلہ جاری رہا اور قرآن خواں قرآن پڑھتے رہے۔

ماہم نے اپنی جیب خاص سے کافی خیرات کی اور حافظوں اور ناظرہ خوانوں کو دونوں وقت کھانا کھلایا گیا۔ جو ایک شخص کی نگرانی میں جس کا نام گلبدن بیگم نے محمد علی عس بتلایا ہے۔ بابر کا مقبرہ تیار کرایا۔ یہ غالباً ماہم کا بھائی ہوگا اگر حقیقت میں یہ وہی شخص ہے تو پھر اس کا ذکر ۱۵۴۴ء میں ان واقعات کے سلسلہ میں آئے گا جو بابر کے جسم کو آگرہ کے مدفن سے منتقل کر کے کابل لیجایا گیا تھا اور وہاں اسکے پسندیدہ مقام پر دفن کیا گیا تھا۔

دوسرا باب

عہد ہمایوں

پہلی فصل

ہمایوں کے مصائب

بابر کے تاریخی حالات اس قدر دلچسپ و دلکش ہیں کہ اس کے کارنامے کو دیکھتے ہوئے اس کے محاسن کے مقابلہ میں عیوب پر نظر ہی نہیں جاتی لیکن ہمایوں کی زندگی میں یہ بات نہیں پائی جاتی بایں ہمہ اس کی زندگی کے واقعات بھی عجیب و غریب ہیں اور انکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بابر کے بعد شاہی خاندان کی خواتین پر کیا گذری اس کی کیفیت معلوم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم ہمایوں کے اقتدار پر بحث کریں واضح ہو کہ ہندوستان پر ہمایوں کا اقتدار و تصرف بالکل غیر سیاسی تھا اس کا قبضہ لشکر اور جنگوں پر منحصر تھا سنہ ۱۵۲۹ء میں جب ہندوستان کے اندر تیموریوں کو شکست ہوئی اور آگرہ۔ دہلی۔ لاہور سے یہ بھاگتے گئے تو ان کے کسی فرد کیلئے جائے پناہ نہ تھی ان کا سردار ہمایوں بے یار و مددگار تھا صرف اس کا ایک بھائی تھا جو آخری وقت میں اس کا مددگار بن گیا تھا۔

ہمایوں ان ایام میں اسمٰعیلیوں کی طرح بھوکا پیاسا مارا مارا پھرتا تھا وہ اپنے لئے مقامات کو فتح کرتا اور پھر چھپا رہتا تھا وہ اپنے لشکریوں کی مدد سے جنکی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی کبھی غالب ہو جاتا تھا اور کبھی مغلوب کبھی وہ نکال دیا جاتا تھا اور کبھی اس کو مطیع و منقاد بنا لیا جاتا تھا۔

ان ایام کے تاریخی واقعات بہت کم ملتے ہیں اور جسقدر ملتے ہیں انکا زیادہ تعلق ہمایوں کی ذات سے ہے اس لئے کہ ان دونوں میں انکی زندگی تقریباً انفرادی زندگی تھی قومی نہیں۔ بابر اور ہمایوں کے ساتھ جو شخصیتیں تھیں وہ صرف وہ لوگ تھے جو حکومت و اقتدار کے خواہشمند تھے سیاست و دانشمندی کا جوہر ان میں نہ تھا جس نے انکو پرورش کیا تھا وہ اپنے دست و بازو کی قوت اور تلوار سے مناصب حاصل کر لیتے تھے اور بہترین زندگی بسر کرتے تھے
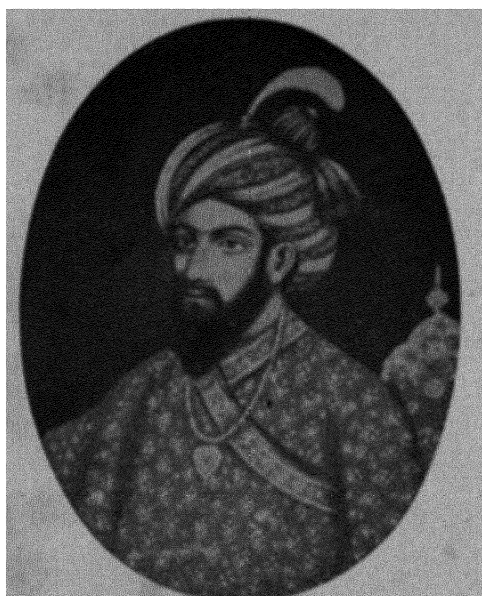
ہمایوں بادشاہ

شاہی خاندان کو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے انہیں اسکی پروا نہ ہوتی تھی

ہمایوں دسمبر ۱۵۳۰ء میں ہندوستان کے تخت و تاج کا وارث ہوا۔ دوسرے سال کامران نے لاہور، پنجاب اور کابل پر قبضہ کر لیا اور ان زرخیز علاقوں پر اسکا اقتدار رہا پھر ۱۵۳۳ء میں مرزاؤں کے غدر کا واقعہ رونما ہوا۔ ۱۵۳۷ء میں گجرات ہمایوں کے اقتدار سے نکل گیا تنزل و ادبار کے ان ایام میں ہمایوں کو برابر نقصان پہنچتا رہا اور زمانہ شیر شاہ افغان کا معاون و مددگار رہا ہمایوں کا اقتدار بتدریج زائل ہو رہا تھا اور شیر شاہ کی حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔ ہمایوں اور شیر شاہ کی جنگوں کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا ان لڑائیوں کا آغاز ہمایوں کیلئے مبارک ہوا تھا لیکن اختتام منحوس ثابت ہوا۔

جنگوں کے اس زمانہ میں ہمایوں کی معاشرت اور ذاتی زندگی کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ اسکے اقتدار کا خاتمہ ہو رہا ہے اور مقابلہ کی تاب باقی نہیں رہی ہے تو ۱۵۳۹ء میں اس نے ہندوستان کی حکومت کو بنالی کے سپرد کر دیا اور خود علیحدہ ہو گیا۔

اسکے بعد بھی ہمایوں کی جد و جہد کا سلسلہ جاری رہا لیکن ہر موقع پر ناکامی ہوئی آخر اس نے تخت و تاج سے اپنی دستبرداری کا باقاعدہ اعلان کر دیا پھر ۲ جون ۱۵۳۹ء کو چوسہ میں اور ۱۷ مئی ۱۵۴۰ء میں قنوج کے اندر تیموریوں کو شکست ہوئی اور وہ اس تمام علاقہ کو چھوڑ کر لاہور چلے گئے اور پھر وہاں سے اپنے قدیم مقبوضہ علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔

ان ایام مصائب میں ماہم بیگم کو سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور ہندال کی شادی سے پہلے ہی ۱۵۳۴ء میں اسکا خاتمہ ہو گیا اسکا لڑکا ہمایوں اسکے مرنے سے بہت پہلے نشہ کا عادی ہو چکا تھا آخر نشہ کی زیادتی نے ۱۵۵۶ء

میں اس کو بھی شامل کر دیا۔

گلبدن بیگم نے اس زمانہ کے واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے اور ہندال کی بغاوت کے متعلق نگی و قل شوری کے حالات۔ ہندال کے نام سے ہمایوں کے مخلص شیخ بہلول کا قتل وغیرہ تمام باتیں گلبدن نے لکھی ہیں اور ظاہر کیا کہ شیخ بہلول کے قتل میں ہندال شریک نہ تھا بلکہ وہ لوگ اس جرم کے مرتکب ہوئے تھے جو ہندال سے کوئی عقیدت نہ رکھتے تھے۔

اس زمانہ میں ہندال کی عمر انیس سال کی تھی اور وہ ایک کامیاب سپہ سالار تھا۔ بڑے بڑے لوگ اسوقت اس کے مددگار تھے ان لوگوں میں سے بعض تو غور سے آئے تھے اور بعض ہندوستان ہی کے وہ لوگ تھے جو بابر کے عہد میں بڑے بڑے کام کر چکے تھے ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ہمایوں کے لشکر کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا تھا۔

اسوقت صحیح معنوں میں ہندوستان کا کوئی حکمران نہ تھا شیر شاہ ہمایوں اور دار السلطنت کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ مرزا علیحدہ بغاوت کر رہے تھے لیکن ان کا کوئی سردار نہ تھا۔

ہندال بابر کے تمام لڑکوں میں بہترین معاشرت اور اچھے چال چلن کا لڑکا تھا جب ہمایوں ہندوستان سے چلا گیا اور افیون خوری و نشہ بازی میں مشغول و منہمک ہو گیا تو ہندوستان میں جمعہ کے خطبہ کے اندر ہندال کا نام پڑھا گیا۔

ہمایوں نے ہندال کی بغاوت کی خبر کو ہندوستان سے باہر سنا اور وہ واقعات کی رفتار کو سمجھنے کے لئے غور میں ٹھہر گیا پھر وہ آگرہ کیطرف روانہ ہوا راستہ میں چونسہ کے مقام پر اس نے جنگ کی اور اس مقابلہ میں اسکو شکست ہوئی

اور اس کے آٹھ ہزار سپاہی جو کہ آزمودہ ترکی سپاہی تھے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے اور کچھ دریا کی نظر ہوئے ہیں معصومہ کا شوہر مارا گیا اور اسی مقام پر شاہی خاندان کی بہت سی عورتوں کا خاتمہ ہوا ماہی بیگم اسی جنگ میں غرق ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں میں گئی پھر ہمایوں کے پاس آگئی۔

یہ جنگ شیر شاہ سے ہوئی تھی شیر شاہ نے اُن تمام عورتوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا جو پڑاؤ میں ملی تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس نے ان تمام عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا لیکن اسکا حفاظتی دستہ جس کو اس نے عورتوں کی حفاظت پر مامور کیا تھا دیر سے پہنچا اور ہمایوں کے پہرہ دار اور شیر شاہ کے سپاہیوں نے لوتے رہے یہانتک کہ وہ سب کٹ گئے اور بہت سی عورتیں بھی اس جنگ میں ماری گئیں بیان کیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں عورتوں اور بچوں کی اتنی جانیں ضائع ہوئیں کہ ہندوستان کی جنگوں میں کبھی عورتوں اور بچوں کی اتنی جانیں ضائع نہیں ہوئی تھیں

آخر ہمایوں اس جنگ میں شکست کھا کر بے یار و مددگار بھاگا اور دریا کو بمشکل عبور کر کے آگرہ پہنچا اور گلبدن بیگم سے مل کر حالات دریافت کئے گلبدن کی عمر اسوقت سترہ سال کی تھی اور اس کی شادی ہو چکی تھی۔ گلبدن بیگم کی شادی اسکے پھوپی کے بیٹے سے ہوئی تھی جسکا نام خضر خواجہ خان ہے یہ چغتائی مغل تھا اور خاندان اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کے باپ کا نام امین خواجہ تھا اور اس کی ماں حیدر مرزا دوغلات کی پھوپھی زاد بہن

گلبدن بیگم سے اس ملاقات کے بہت تھوڑے دنوں بعد ہمایوں پھر جنگ کے لئے تیار ہو گیا اور شیر شاہ کے مقابل صف آرا ہوا کامران نے اس جنگ میں ہمایوں کا ساتھ نہیں دیا وہ اپنے ماتحت بارہ ہزار سپاہیوں کو لیکر آگرہ سے لاہور کیطرف

روانہ ہوگیا اسکے ساتھ آگرہ سے بہت سی خواتین اور بے یارومددگار لوگ بھی ہو لیے وہ گلبدن کو بھی اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا لیکن وہ جانے پر رضامند نہ ہوئی اور جب اس نے ہمایوں کی مرضی زبانی تو صاف انکار کر دیا گلبدن کی عمر کا زیادہ حصہ ہمایوں کے ساتھ گذرا تھا اس نے یہ پسند نہیں کیا کہ اس موقع پر وہ ہمایوں کو چھوڑ دے۔

گلبدن بیگم نہایت ذہین اور سمجھدار لڑکی تھی کامران اس لئے اس کو اپنی حفاظت میں لینا چاہتا تھا کہ اسکے شوہر کے خاندان سے اسکے خاص تعلقات تھے اور وہ ان لوگوں کو اپنا مددگار رکھنا چاہتا تھا۔

اس کے بعد قنوج کے مقام پر شیر شاہ اور ہمایوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں چالیس ہزار آدمی ایک ہزار آدمیوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور ایک توپ یا بندوق نہ چلی تھی یہاں بھی چونسہ کی طرح بہت آدمی دریا میں ڈوب کر مرے اور ایک معمولی آدمی نے ہمایوں کی جان بچائی اور آخر یہ شکست خوردہ لوگ آگرہ کی طرف چلے گئے۔

حیدر کہتا ہے کہ ہم لوگوں نے بھاگنے میں ذرا بھی توقف نہیں کیا منتشر ہو کر جس سے ممکن ہوا ہم جاتے اور برابر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم افغان وغیرہ لاہور پہنچ گئے اس کے بعد یہ شکست خوردہ لوگ سیکری کی طرف چلے گئے اور ہمایوں نے انکو وصیت کر دی کہ جس سے ممکن ہو ان خواتین کو آگرہ سے جو میں لاہور پہنچا دیا جائے۔

لاہور میں تیموری خاندان کے تمام لوگ جمع ہوگئے تو آپس میں مشورہ شروع ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے پانچ مہینے تک یہ مشورہ جاری رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا چاروں بھائی اس اجتماع میں موجود تھے کامران جو تجویز پیش کرتا تھا دوسرے بھائیوں کی بحث و گفتگو سے اس تجویز کا خاتمہ ہو جاتا تھا کامران کا منشا یہ تھا

کہ روزانہ مقابلہ کرنے والے فاتح شیر شاہ سے اس شرط پر صلح کر لی جائے کہ لاہور اور پنجاب کو تیموریوں کے اقتدار میں چھوڑ دیا جائے اور باقی ملک پر وہ اپنا تصرف قائم کرے۔

کامران کی یہ تجویز موقع کے لحاظ سے مناسب تھی اس کا منشا یہ بھی تھا کہ اگر اس تجویز کے مطابق صلح نہ ہو سکے تو پھر وہ کابل کی حکومت پر جسکو ہمایوں نے اسکے حوالے کر دیا تھا اپنا پورا اقتدار قائم کرے اور ہمایوں کو وہاں نہ جانے دے کامران کا خیال تھا کہ اگر ہمایوں کابل پہنچ گیا تو پھر وہ وہاں سے دوسری طرف جانے کا نام نہ لیگا اور حکومت پر قبضہ کر لیگا چنانچہ جب ہمایوں نے اپنی موروثی حکومت بدخشاں جانے کی تجویز پیش کی تو کامران نے محض اس خیال سے کہ کہیں ہمایوں بدخشاں جاتے ہوئے کابل ہی میں نہ رک جائے اور حکومت پر قبضہ نہ کرے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔

۳۰ اکتوبر ۱۵۴۰ء کو تیموریوں نے روانگی کے ضروری انتظامات مکمل کر لئے اس لئے کہ ان کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ شیر شاہ دریائے بیاس کو عبور کر آیا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ جلد سے جلد یہاں بھی پہنچ جائے گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ ہمارے لئے یہ دن کسی طرح قیامت کے دن سے کم نہ تھا ہم لوگ اسقدر مضطرب اور پریشان تھے کہ اپنی سراسیمگی کی تشبیہہ میں کسی چیز سے نہیں دیسکتی بیان کیا جاتا ہے کہ اس روز دو لاکھ آدمیوں نے لاہور کو خیرباد کہا اور سامان لیجانے کی مزدوری اس قدر بڑھ گئی کہ ایک ایک کے چار چار دینے پڑے۔

ان بھاگنے والوں کی خوش قسمتی تھی کہ دریائے راوی پایاب تھا یہاں سے وہ آسانی کے ساتھ گذر گئے لیکن دریائے چناب میں ان کو کشتیوں کی ضرورت پڑی اور کشتیوں کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا پھر آگے دریائے جہلم تھا جس میں

پوری طغیانی پر تھی۔

اکثر لوگ دریائے چناب کو عبور کر سکے اور راوی و چناب کے دوآبہ ہی میں رہ گئے آخر جب آگے جانے سے مایوسی ہو گئی تو حیدر مرزا اس خیال سے کہ شاہی فوج آگے نہ بڑھیگی اور پیچھے ہٹ جائے گی کشمیر کی طرف چلا گیا اور ہندال اور یادگار جنوب کی طرف ملتان کو چلے گئے۔ ان لوگوں کے چلے جانیکے بعد ہمایوں کے خیر خواہوں نے اسکو مشورہ دیا کہ وہ کامران کی زندگی کا خاتمہ کردے تاکہ یہ خار راہ سے دور ہو جائے اور راستہ صاف ہو جائے لیکن ہمایوں نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا۔

شاہی خاندان کی خواتین کو کامران کے متعلق جو مشورہ ہمایوں کو دیا گیا تھا اسکا علم ہو گیا تھا جب ہمایوں نے اس سے انکار کر دیا تو خواتین پر اسکا زبردست اثر پڑا اور ہمایوں کی شخصیت سب کی نظروں میں محبوب ہو گئی کامران نے اگرچہ غداری کی تھی اور قریب تھا کہ اس غداری کے نتیجہ میں آپس میں خون کے دریا بہہ جائیں لیکن ہمایوں نے معاملہ کو آگے نہ بڑھنے دیا اور خطرات کا دروازہ کھلنے نہ پایا۔

بابر اور ہمایوں کی زندگیوں میں بڑے بڑے موثر مناظر اور خطرناک مواقع پیش آئے ہیں لیکن ان مناظر میں سب سے زیادہ موثر اور خطرناک منظر و موقع وہ تھا جب ہمایوں پنجاب سے آگے بھاگ رہے وہ لاہور سے جہلم کے مشرق کیطرف روانہ ہوا اور خوشاب کی اس سڑک پر پڑ لیا جو اس ندی سے ہو کر جاتی ہے جو نمک کی پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے آگے چل کر اس ندی کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں ایک شاخ شمال مغرب میں کابل کیطرف چلی جاتی ہے اور دوسری جنوب مغرب میں سندھ کی طرف۔

ہمایوں اور کامران کے درمیان اس موقع پر جھگڑا ہو گیا کامران چاہتا تھا

کہ وہ پہلے درہ کے اندر داخل ہو کر ہمایوں کے لئے کابل کا راستہ بند کر دے ہمایوں اس پر مصر تھا کہ داہنی جانب آگے بڑھے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بھائیوں کے لشکروں کے درمیان بشت مشت شروع ہو گئی آخر ابو البقا نے درمیان میں پڑکر معاملہ کو رفع دفع کر دیا ابو البقا وہ شخص ہے جس نے بابر کو ہمایوں کی خطرناک علالت کے زمانہ میں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان کو بیٹے پر قربان کر دے ابو البقاء نے معاملہ کو کس طرح سلجھایا اسکے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہی کہ اس نے ایک طرف ہمایوں کو یہ کہا کہ کامران کا لشکر جاتا ہے تو بہتر ہے اس سے لڑنا خلاف مصلحت ہے اور دوسری جانب کامران سے یہ کہا کہ ہمایوں کو ہر طرح آگے بڑھنے کا حق ہے آخر دونوں کو سمجھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ کامران نے راستہ چھوڑ دیا اور ہمایوں کو آگے چلے جانیکی اجازت دیدی ہمایوں نے اس موقعہ سے نکل کر جنوبی راستہ اختیار کیا اور ایک دو دن بعد پہنچکر دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں اور بہت سے دوسرے دانشمند اشخاص نے دونوں بھائیوں کے درمیان صفائی کرا دینے کی کوشش شروع کی اور آخر بھائیوں نے معاملات کو طے کرلیا اور کامران کابل کیطرف اور ہمایوں سندھ کی جانب چلا گیا۔

دوسری فصل

جلاوطنی کا زمانہ

جب دونوں بھائیوں کے لشکر ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو بہت سی خواتین کامران کے ساتھ گئیں جن میں غالباً گلبدن بیگم بھی تھی اور بہت سی ہمایوں کے ساتھ گلبدن بیگم کی والدہ دلدار بیگم اسوقت ہندال کیساتھ ملتان میں تھی دلدار بیگم کے ساتھ غالباً ہمایوں کی بیوی حمیدہ بیگم بھی ہوگی جو ہندوستان کے مشہور شہنشاہ اکبر کی ماں تھی۔ خانزادہ ہمایوں کے ساتھ تھی جیسا کہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو خانزادہ کی بھتیجی نے کہا ہے وہ کہتی ہے کہ ہمایوں نے سندھ سے جو سفارت

قندھار سے انکی تھی اس میں خانزادہ بھی شامل تھی دوسرے مورخین کہتے ہیں کہ خانزادہ کامران کے ساتھ تھی اور ہمایوں کامران کے درمیان صلح کرانے کے لئے کابل سے قندھار گئی تھی۔

ہمایوں اس جلاوطنی کے زمانہ کو جب سندھ کے ریگستان بسر کر رہا تھا اس وقت خواجہ خضر خان کا اس کے ساتھ ہونے کا کوئی ذکر تاریخوں میں نہیں ہے ملا بعض لوگوں کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۴۳ء میں خواجہ خضر عسکری کے ساتھ قندھار میں تھا۔

ہمایوں پانچ سال تک ہندوستان سے باہر جلاوطنی کی مصیبت برداشت کرتا رہا ۱۵۴۵ء میں جب وہ کابل آیا اور گلبدن بیگم سے ملا تو گلبدن بیگم اس منظر سے بہت متاثر ہوئی اور اس موقع پر وہ لکھتی ہے کہ پانچ سال کی مفارقت کا یہ زمانہ نہایت پریشانی اور تکلیف میں بسر ہوا مفارقت کے اس زمانہ کا آغاز جہلم سے ہوا تھا جہاں سے خواتین کے قافلے جدا ہوئے تھے وہ کامران کے ساتھ کابل چلی گئی اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمایوں کے ساتھ نہ گئی لیکن ہمایوں کی جدائی اس عرصہ میں اس پر بہت شاق گذری۔

سندھ میں ہمایوں اور اس کے ساتھیوں پر جو کچھ گذرا تھا گلبدن بیگم اس سے اچھی طرح واقف تھی۔ ملتان میں جو واقعات رونما ہوئے تھے ان سے بھی وہ آگاہ تھی اس عرصہ میں وہ اپنی ماں اور حمیدہ بیگم سے بھی مل چکی تھی۔

ہمایوں نے ۱۵۴۵ء میں کابل پر قبضہ کر لیا تھا اور پورے پانچ سال کے بعد اسکو کابل پر اقتدار حاصل ہوا لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ گلبدن بیگم پھر بھی ہمایوں کے پاس نہ رہی اور کامران ہی کے ساتھ اس نے رہنا پسند کیا۔

گلبدن بیگم نے ہمایوں کی جلاوطنی اور سندھ و فارس میں ایام بسری کے واقعات کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ گلبدن بیگم نے بعض واقعات زیادہ

بیان کیے ہیں لیکن ان تمام واقعات کا ماخذ انہوں نے حمیدہ بانو بیگم کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ اکثر مواقع پر حمیدہ بیگم کا حوالہ دیتی اور ان سے واقعات کی روایت کرتی ہے۔

کامران گلبدن بیگم نے اپنی سہیلیوں اور قبیلوں کی عورتوں سے زیادہ تعلقات نہیں رکھے تھے وہ عموماً خانہ داری کے کاموں میں مشغول و منہمک رہتی تھی اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال میں زیادہ وقت گذارتی تھی وہ اپنے صرف ایک بچہ سعادت یار کا ذکر کرتی ہے لیکن قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اسکے کئی بچے ہوں گے ممکن ہے کہ خواجہ خضر کے اور بچے بھی اسکے ہمراہ ہوں لیکن اسکا ثبوت نہیں ملتا۔

کامران نے شاہی خواتین کیساتھ بہتر سلوک نہیں کیا تھا اور بعض کو انکے گھروں سے نکال دیا تھا اور انکی تنخواہیں بھی کم کر دی تھیں لیکن گلبدن بیگم کے ساتھ اسنے کوئی ناروا سلوک نہیں کیا ۱۵۴۳ء میں گلبدن بیگم ہندال کے پاس چلی گئی جبکہ کامران نے قندھار پر شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا اور اسکی ماں اور اسکو کابل لے آیا تھا یہ زمانہ اسنے اپنی ماں کے گھر میں بسر کیا اور گلبدن بیگم بھی اسکے پاس رہی۔

ہمایوں جب ہندوستان سے باہر نکلا تو اسوقت اسکی نقل و حرکت کا علم تمام مقامات پر ہو گیا تھا اور سندھ سے کابل تک ہر شخص اس سے واقف تھا اس تنہائی میں ہمایوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا ہمایوں سندھ سے آگے بڑھا اور شاہ حسین ارغون کے ملک میں گھس گیا حسین ارغون نے خاندانی مصالح کی بناء پر ہمایوں سے کچھ نہ کہا اور نہ اسکے خلاف کوئی کارروائی کی یہانتک کہ عرصہ دراز تک ہمایوں اس علاقہ پر قابض رہا۔

ہمایوں اور ارغون خاندان کے لوگوں کے درمیان بہت نفرت پائی جاتی تھی ممکن ہے کہ اس نفرت کا سبب یہ ہو کہ ہمایوں نے انکو کابل اور قندھار سے نکال دیا تھا اور اس نفرت کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کابل و قندھار سے بے دخل کر دینے کے

بعد ہمایوں نے ایک ارغون لڑکی سے جو مقیم مرزا کی لڑکی تھی اپنے کوکہ بھائی قاسم کی شادی کردی تھی ہمایوں کی یہ جرات معمولی جرات نہ تھی ارغون اسکو ناقابل معافی جرم خیال کرتے تھے اور اسکی یہ حرکت ان کی آنکھوں میں کھٹک رہی تھی یہ لڑکی جسے ہمایوں نے اپنے کوکہ بھائی کی شادی کی تھی مال غنیمت میں آئی تھی اور لڑکی اور اسکے خاندان کی مرضی کے خلاف اس نے زبردستی یہ شادی کی تھی۔

اس عورت کی ناراضی کے واقعہ کو مسٹر ارسکن نے نہایت دلچسپ طریقہ پر لکھا ہے اسکا بیان ہے کہ جب قاسم کوکہ مرگیا تو ماہ چوچک (قاسم کی بیوی) یا وہ لڑکی جسے ہمایوں نے زبردستی قاسم کا نکاح پڑھا دیا تھا اپنے چھوٹے بھائی شاہ حسین کے پاس چلی گئی اور اس سے شادی کرلی ماہ چوچک شاہ حسین کے پاس ہی تھی جب تک ہمایوں سندھ میں رہا۔

ہمایوں سے شاہ حسین ارغون کی ناچاقی اصل میں بہت عرصہ سے چلی آتی تھی جسکا اصل سبب یہ تھا کہ شاہ حسین کی پہلی بیوی سے ہمایوں نے نکاح کرلیا تھا شاہ حسین کی یہ بیوی خلیفہ کی لڑکی گلبرگ تھی جس سے اس نے ۱۵۲۶ء میں شادی کی تھی خاندانی پیچیدگیوں کے اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ماہ چوچک کے بطن اور میر قاسم کے صلب سے ایک لڑکی ناہید پیدا ہوئی تھی جو اسوقت شاہ حسین کے پاس تھی خلیفہ کے لڑکے محب علی نے اُس سے شادی کرلی تھی۔

شاہ حسین کی پہلی بیوی سے ہمایوں کے نکاح کرلینے کا واقعہ مورخوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حسین اور گلبرگ شادی کے بعد یکجا رہنے لگے لیکن بہت ہی تھوڑے دنوں میں ایک کو دوسرے سے نفرت ہوگئی گلبرگ نے اُس کے پاس زیادہ قیام مناسب نہیں سمجھا اور دو سال کے بعد اُس سے علیحدگی اختیار کرلی اور ہمایوں کے ساتھ بقول ارسکن ہندوستان میں چلی آئی مورخوں کے درمیان اس امر میں اختلاف

ہے کہ گلبرگ کب ہمایوں کے حرم میں داخل ہوئی بعض کا بیان تو یہ ہے کہ ۱۵۳۹ء
میں اس سے ہمایوں نے شادی کی تھی جبکہ وہ چونسہ پر قابض ہوا تھا لیکن اکثر مورخین
کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۵۳۳ء میں گلبرگ ہمایوں کے حرم میں داخل ہوئی تھی گلبدن بیگم بھی
یہی کہتی ہیں اس کے بیان کے مطابق گلبرگ اسوقت ہمایوں کے حرم میں داخل
ہوئی تھی جبکہ اسکی تخت نشینی کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا۔ گلبرگ اسوقت سے برابر ہمایوں کے
ساتھ رہی یہاں تک کہ ۱۵۴۱ء میں بھی اور اسکے بعد بھی وہ ہمایوں کے ساتھ سندھ
اور فارس میں رہی اس زمانہ میں سلطانم عہ بھی اسکے ساتھ تھی جو ممکن ہے کہ اس کی ماں ہو

تیسری فصل

ہمایوں پھر میدان جنگ میں

۱۵۴۵ء میں کابل کے اندر یہ خبریں وصول ہوئیں کہ ہمایوں فارس سے
واپس آ رہا ہے اور کافی لشکر اُسکے ساتھ ہے اس خبر کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہمایوں
کے لڑکے اکبر کو خانزادہ کی نگرانی میں کابل لایا جائے اور اسکی سپردگی میں دیدیا
جائے۔

ہمایوں کا بیٹا اکبر حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے تھا جو ہمایوں کی جلاوطنی کے زمانہ
میں اپنے چچا ہندال کی نگرانی میں رہتا تھا اکبر باپ کی جلاوطنی کے ایام میں پیدا
ہوا جبکہ اسکی ماں ہندال کیساتھ ملتان چلی گئی تھی۔

غرض اکبر کو قندہار سے کابل لایا گیا یہ سفر موسم گرما میں بخشی بانو کی معیت میں
کیا گیا تھا بخشی بانو نے اکبر کے ننھے ننھے ہاتھ اور پاؤں چومے تھے اور اکبر نے بھی
اسکے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

عہ سلطانم کا ہمایوں کے ساتھ ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ اسوقت خلیفہ کا انتقال ہو چکا ہوگا
بہرحال خلیفہ کی بیگم ایک لیں ہو کہ سلطانم نے مکہ جانے اور لڑکی کو ساتھ لیجانے کی شاہی اجازت میں کئی [illegible]

بخشی بانو کی پہلی شادی شیبانی کیساتھ ہوئی تھی اور یہ شادی بابر کو قید یا موت سے نجات دلانے کیلئے کی گئی تھی پھر اسکی طلاق بھی اس صورت سے عمل میں آئی کہ اس کے شوہر اور بابر میں پھٹ پھٹ ہوگئی تھی اور بخشی بانو بابر کی طرفدار تھی پچیس سال کی عمر میں ۱۵۳۱ء میں بخشی بانو بابر کی حفاظت میں چلی گئی۔

اس زمانہ میں جبکہ وہ اکبر کو بلاتی ہے سکی شکل و شباہت بہت کچھ تبدیل ہو چکی تھی اور چہرہ کا رنگ اڑ گیا تھا کیونکہ اسکی عمر زیادہ ہو چکی تھی پھر اسکو اپنے اکلوتے بیٹے کا غم بھی تھا جو اس سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو چکا تھا اسکی کافی دلجوئی ہوتی تھی اور اسکے آرام و آسائش کا پورا پورا انتظام ہوتا تھا اکی یہ آؤ بھگت محبت کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس کا سبب وہی تھا جو مدکورہ بالا یعنی بابر کی مدد اس نے سلطانم کو دو سال کی عمر سے پرورش کیا تھا اور ہندال کی بیوی بنانے کے لئے اسکی تربیت کی تھی۔

۲۱ مارچ ۱۵۴۵ء کو ہمایوں نے قندھار کو محاصرہ میں لے لیا انہیں ایام میں اس نے اپنا ایک سفیر کابل روانہ کیا جس کا اس خیال سے خاص طور پر استقبال کیا گیا کہ اس سے وہ واقعات معلوم ہونگے جو کوئٹہ چھوڑنے کے بعد وقوع میں آئے ہیں اسکے کا نام بیرم خان تھا بیرم خان نے کابل پہنچکر اکبر کو دیکھا اور دوسرے ان شہزادوں کو بھی اسنے وہاں دیکھا جو کامران کی نگرانی میں تھے یہ شاہزادے ہندال - یادگار نصیر وغیرہ تھے۔

بیرم خان چھ ہفتہ تک کابل میں مقیم رہا اور کامران کو اپنے آئندہ طرز عمل کی نسبت کافی غور و خوض کر لینے کا موقعہ رہا بیرم خان کا خیال تھا کہ ہمایوں کافی طاقتور ہے۔

بیرم خان کابل سے خانزادہ کو لیکر روانہ ہوا خانزادہ کو ساتھ لیجانے سے

اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہمایوں کے غصہ کو فرو کرے اور عسکری کے لیے راستہ کو صاف کرے جس نے ہمایوں کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

یہ جماعت قندھار پہنچ گئی محاصرہ جاری تھا اور ہمایوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا بہت سے امراء ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے آخر تیسری ستمبر ۱۵۴۵ء کو قلعہ پر تصرف حاصل کر لیا گیا عسکری اور اُس کے امراء تلواریں لٹکائے ہوئے آئے اور ہمایوں نے معافی طلب کی ان لوگوں میں سے چند آدمیوں کے ہاتھوں میں لپٹے ہوئے کاغذ تھے عسکری کو معافی دیدی گئی اور تمام رات جشن مسرت رہا عسکری عیش و عشرت میں محو بیخود تھا کہ کسی نے اُسکے ہاتھ سے وہ کاغذات نیلئے جنکو وہ لیے ہوئے تھا گلبدن بیگم کا بیان ہے کہ یہ وہ خطوط تھے جو عسکری نے کوئٹہ کے بلوچی سرداروں کو لکھے تھے اور جن میں یہ تحریر تھا کہ ہمایوں جب کوئٹہ سے روانہ ہو اُس کو فوراً گرفتار کر لو۔

اس زمانہ میں کامران کابل کے اندر تنہا رہ گیا تھا جب اس نے سنا کہ قندھار پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ خانزادہ وفات پا گئی ہے اور شاہی متعلقین میں سے بعض لوگ بھاگ گئے ہیں تو وہ پریشان اور مغموم ہو گیا اس نے ہمایوں کو خوش کرنے کے لئے کابل سے فوجیں بھی روانہ کیں لیکن ہمایوں کو اسوقت فوجوں کی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ جنگ ختم ہو چکی تھی۔

آخر کامران نے اپنے آپ کو بے بس پا کر بھاگ جانا مناسب خیال کیا اور غزنی کے راستے سے سندھ کو چلا گیا اب جدائی اور مصائب کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں اور رشتہ دار دوبارہ واپس آ کر ایک دوسرے سے مل رہے تھے گلبدن بیگم بھی پانچ سال کے بعد نومبر ۱۵۴۵ء میں اپنے بھائی ہمایوں سے ملی۔

اسوقت کابل میں امن و سکون تھا اور لوگ خوشی اور راحت کے ساتھ

زندگی بسر کر رہے تھے حمیدہ بانو بیگم اکبر کی ماں جا بلیک اور بچے کی ماں بن گئی تھی موسم بہار میں سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوئی اکبر اب اُسی کی نگرانی میں تھا۔

ہمایوں کے پاس یہ تمام لوگ پہنچ گئے ہمایوں نے یہ دیکھنے کیلئے کہ اکبر جسکو اسکی ماں نے ایک سال دو ماہ کی عمر میں کو بیٹھے چھوڑ دیا تھا اپنی ماں کو پہچانتا ہے یا نہیں اکبر کو اسکی ماں کے پاس بھیجا یہ اسکے حرم میں بیٹھی تھی اور دوسری خواتین بھی وہاں موجود تھیں ہمایوں نے اکبر کو ایک مسند پہ بٹھا دیا بچے نے ماں کو پہچان لیا اور اسکی گود میں جانے کے لئے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

ابوالفضل نے اس شناخت کے واقعہ کو اکبر کی ذہانت سے تعبیر کیا ہے لیکن وہ لوگ جنکی آنکھیں اکبر کے عہد کی عیش و عشرت کی روشنی سے ابوالفضل کیطرح منور نہیں ہیں یہ کہتے ہیں کہ محبت و شناخت کا یہ جذبہ جس کا ظہور اُس وقت اکبر سے ہوا صرف اکبر ہی کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ اسمیں ماں کی شفقت، محبت اور مسکراہٹ بھی تھی جو ماں کے ہونٹوں پر تھی اکبر نے ماں کی شفقت بھری آنکھوں کو دیکھا مسکراہٹ نے قلب میں محبت کا جذبہ پیدا کیا اور ماں کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور اسکی گود میں چلا گیا۔

موسم بہار میں ہمایوں بدخشاں کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے لشکر لیکر روانہ ہوا کابل کے گورنر کو اس نے حکم دیا کہ وہ یادگار ناصر کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے اُس زمانے میں کابل کا حاکم محمد علی تھا اور یادگار ناصر بغاوت میں شریک رہا تھا اور اُسکے لئے موت کی سزا تجویز کی جا چکی تھی خواجہ محمد علی نے اس امر کو پسند نہیں کیا اور گورنری سے استعفا دیدیا وجہ استعفا میں اُس نے لکھا تھا کہ میں کیونکر یادگار ناصر کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں جبکہ میں نے اپنی زندگی بھر کبھی ایک چڑیا بھی نہیں

ماری ہے۔ خواجہ محمد علی جو ہمایوں کا چچا تھا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت نرم طبیعت کا شخص تھا اور گورنری کے منصب کے لئے مناسب نہ تھا آخر اس کام کیلئے ایک دوسرے سپہ سالار کو تلاش کیا گیا اور اس نے بیچارے ناصر کی مصیبت بھری زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

بدخشاں کی مہم میں ہمایوں نے احتیاطاً عسکری کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا خواتین میں ماہ چوچک، بی بی فاطمہ، تغلق آغا اور بیگہ بیگم ہمراہ تھیں مقام ختم کے قریب پہنچکر ہمایوں سخت بیمار ہوا اور چار دن تک بے ہوش و بے حس و حرکت بستر پر پڑا رہا اس کے بستر کے گرد ایسی تیماردار عورتیں تھیں جو فن تیمارداری میں کمال رکھتی تھیں ہمایوں آنکھیں بند کئے ہوئے خاموش پڑا تھا کہ ایک دفعہ ماہ چوچک نے منہ میں انار کا پانی ٹپکایا اور فوراً اس نے آنکھیں کھول دیں چند دنوں میں ہمایوں اچھا ہو گیا لیکن اس کی بیماری سے اسکی ذات خاص اور حکومت کو سخت نقصان پہنچا اور بہت سے کام خراب ہو گئے۔

ہمایوں کی علالت کی خبر سنتے ہی کامران اپنے خسر حسن چغتائی کی اعانت سے فوراً اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے پر تیار ہو گیا اور لشکر لیکر کابل پہنچا اور دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا۔

یہ زمانہ سردی کے چلہ کا زمانہ تھا اور پہاڑی دروں میں سخت سردی تھی ہمایوں کے سپاہی اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے پیچھے ہٹ رہے تھے انکو کابل سے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ شہر کابل کو پھر فتح کر لیا جائیگا ان خبروں کو سنکر سپاہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر کابل کی طرف بھاگنے لگے ان لوگوں کی کابل میں خوب آؤ بھگت ہوئی اور ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا گیا اور یہی وہ آرزو مند تھے یہ کہنا غالباً ہمایوں کی ذات کو بٹہ لگانا ہے کہ ان لوگوں نے ہمایوں کا ساتھ اسلئے چھوڑ دیا تھا کہ ہمایوں سے غداری کی تھی ہمایوں نے اس قسم کا الزام کوئی نہیں لگا

سکتا اگر ان لوگوں کو کابل میں اپنے اہل و عیال کو بچانا تھا تو یہ امر کامران کی معمولی
سی اطاعت سے بھی حاصل ہو سکتا تھا واقعہ یہ ہے کہ ہمایوں کا ملازمی اور وفا
داری کا مدعی تھا وہ امکان جو اس دعوے کو پیش نظر رکھتا تھا۔

کابل کی کامران کا قبضہ حقیقت میں کابل کے اس گورنر کی کمزوری پر مبنی تھا
جو ہمایوں کی طرف سے مامور تھا محمد علی اس قابل نہ تھا کہ کابل جیسی مرکزی جگہ کا اسکو
حاکم بنایا جاتا۔ اس میں تنہا یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ غیر مسلح آبادی کی حفاظت
کر سکتا۔

کامران کابل کیطرف یلغار کرتا ہوا غزنی سے گذرا تھا جہاں کا گورنر زاہد
بیگ تھا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب ۱۵۳۸ء میں اسکو بنگال کا حاکم مقرر کیا گیا تھا تو اس نے
ہمایوں سے یہ کہا تھا کہ کیا آپکو میرے مارنے کیلئے کوئی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمایوں
کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے بنگال کو چھوڑ دیا تھا اور ہندال کیساتھ شریک ہو کر
انکی بغاوت میں اس کا مددگار بن گیا تھا کامران نے اس کے سوال کا معقول جواب
دیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انکی آرزو پوری کی یعنی اسکو مار ڈالا اور سیدھا کابل کیطرف
روانہ ہو گیا۔

گلبدن لکھتی ہے کہ کامران صبح کیوقت کابل پہنچا جبکہ کابلی سپاہی حفاظت
و چوکیداری کے مقامات کو چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے تھے اور گھسیاروں اور سقوں کی
آمد و رفت حسب معمول جاری تھی کامران عام لوگوں کیساتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا
محمد علی گورنر اسوقت حمام میں تھا اسکو پکڑنے کا موقعہ بھی پہنچ گیا اور فوراً
اسکو کامران کے حضور میں لایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

کامران نے کابل میں داخل ہو کر جو مظالم کئے تھے اور بیگناہ لوگوں کو قتل کیا
تھا انکی فہرست دیکھکر دل لرز جاتا ہے مختصر یہ ہے کہ کامران کا محاصرہ اور قبضہ تھا

حرکات اور افعال سے بھرا ہوا ہے۔

ہمایوں کو صحت کے بعد جب کابل پر کامران کے قبضہ کی خبر ملی تو وہ غضبناک ہوگیا اور جس قدر جلد ممکن ہوسکا اُسنے دشوار گذار دروں کو عبور کرکے کابل کو محاصرہ میں لے لیا کامران نے آخر ہمایوں کی طاقت کو محسوس کیا اور جب اُسکو اس امر کا یقین ہوگیا کہ کابل اب اُسکے قبضہ میں نہیں رہ سکتا ہے تو وہ شہر پناہ کی ایک کھڑکی سے نکل بھاگا اور خندقوں میں ہوتا ہوا پہاڑوں میں چلا گیا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ کامران کو بھاگ جانے میں ہندال نے مدد دی تھی بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بھاگ جانے کے بعد کوکہ محمد خان نے اسکو گرفتار کرلیا تھا اور اسوقت کامران تنہا اور اسقدر بے یار و مددگار تھا کہ صرف ایک شخص اُسکو پکڑ کر کھینچ لایا تھا کامران نے محمد خان کو اخوت شیر خوردگی کا واسطہ دلایا اور اس سے نجات حاصل کرلی اور پھر اپنے بیگوں اور موروثی دشمنوں سے جا ملا۔

کابل پر دوبارہ قبضہ کے بعد ۹۵۴ھ میں ہمایوں نے بدخشاں پر حملہ کیا بدخشاں کی جنگ کے سلسلہ نے بہت سے ذاتی معاملات کے دروازہ کو کھول دیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بدخشاں کی جنگ ایک فوارہ تھی جس سے واقعات کے بہت سے چشمے جاری ہوگئے تھے۔

کامران نے اس شکست کے بعد مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کرلیا ہمایوں نے کامران اور اُن تمام لوگوں کو مکہ معظمہ جانیکی اجازت دیدی جنکا دارالسلطنت میں قیام مناسب نہ تھا کامران کا مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کسی نیک خیال پر مبنی نہ تھا اور نہ وہ دل سے اس سفر کا خواہشمند تھا جب اُسکے یقین نہ کرنے والے کانوں نے یہ سُنا کہ ہمایوں نے فتح کے بعد باغی امرا سے رحم دلی کا برتاؤ کیا ہے تو اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی کا خواستگار ہوا۔

ہمایوں کی یہ عملی ناقابل یقین حقیقت تھی مگر اس کی طبیعت کا تقاضہ ہو تا
واقعی وہ انتہا درجہ کا رحمدل تھا اور نہایت وفادار جب کامران نے اس سے
معافی کی درخواست کی تو ہمایوں نے حکم دیا کہ اس کا استقبال کیا جائے چنانچہ
کامران کا استقبال کیا گیا اور ہمایوں کے سامنے لایا گیا ہمایوں اسکو دیکھکر رو دیا
اور گلے سے لگا کر اسکے جرم کو معاف فرما دیا۔
مورخین کا بیان ہے کہ جب کامران ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے
اُسوقت ہمایوں دربار عام میں شامیانے کے نیچے بیٹھا ہوا تھا منعم خان کامران کے
برابر کھڑا تھا کامران نے اُسکی کمر سے چمڑہ کا چابک نکال لیا اور اپنی گردن میں
اُسکو لپیٹ کر ایک مجرم کیطرح ہمایوں کے سامنے حاضر ہوا ہمایوں نے کامران
کو اس حال میں دیکھکر کہا " افسوس ...... افسوس .... تم کو اسطرح مجرم
کیطرح میرے سامنے آنیکی ضرورت نہیں ہے تم اپنی گردن سے چابک کو
نکال ڈالو اور پھینک دو " کامران نے تین مرتبہ دربار کی رسم کے مطابق جھک کے
سلام کیا فوراً ہمایوں نے اُسکو گلے سے لگا لیا اور بیٹھنے کا حکم دیا کامران نے
اُسکے ساتھ اپنی گذشتہ حرکات کی معافی چاہی اور اظہار افسوس کیا ہمایوں
نے کہا " گئی گذری باتوں کا خیال چھوڑ دو اب تک تو تم رسماً ملے تھے آؤ اب
بھائیوں کی طرح بغل گیر ہوں " یہ کہکر ہمایوں کھڑا ہو گیا اور کامران کو سینے سے
لگالیا دونوں ایک دوسرے سے محبت کیساتھ ملے اور اسقدر دونوں پر رقت
طاری ہوئی کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اس منظر سے حاضرین بھی متاثر تھے
اور اکثر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
اسکے بعد ہمایوں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اپنے بائیں پہلو میں کامران کو
جگہ دی جو بھائی عزازی کی جگہ تھی اور محبت سے پُر اثر لہجہ میں اپنے ملازم خاص تکی سے کہا

کامران کو مخاطب کرکے کہا تم میرے قریب بیٹھو پھر شربت کا ایک گلاس منگایا جس میں نصف گلاس شربت ہمایوں نے پی لیا اور باقی کامران کو دیدیا۔

اس تقریب میں بہت بڑا جشن ہوا جس میں چاروں بھائیوں نے شرکت کی تھی چوتھا بھائی سلیمان عرصہ دراز کے بعد ہمایوں سے ملا تھا چاروں بھائی ایک مکلف فرش پر بیٹھے اور ایک ساتھ کھانا کھایا ایک مورخ کے الفاظ میں کہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر چاروں بھائیوں نے باہم نمک خواری کی یہ دعوت عام جشن کی صورت میں دو دن تک جاری رہی۔

کامران جب ہمایوں کے پاس آیا تھا اسوقت عجلت و گھبراہٹ میں اپنے خیموں کو سڑک ہی پر چھوڑ دیا تھا ہمایوں نے حکم دیا کہ کامران کے خیموں کو والنے لا کر شاہی خیمہ کے قریب لگایا جائے پھر عسکری کی خواہش سے اسکو بھی کامران کے پاس رہنے کی اجازت دیدی۔

گلبدن بیگم لکھتی ہے "دونوں بھائیوں کے پُرازمحبت آنسوؤں اور معانقوں نے وہ تمام ممالک واپس دلا دیئے جو ہاتھوں سے نکل گئے تھے اور آزادی عطا کردی ہمایوں نے کامران کو لاب کا علاقہ جاگیر میں عطا کردیا لیکن مرزا نے اسکو پسند نہ کیا اور جو شخص جاگیر کا پروانہ لیکر حاضر ہوا تھا اس سے کہا "کیا میں کابل و بدخشاں کا بادشاہ نہیں تھا؟ولاب تو بدخشاں کا ایک معمولی سا ضلع ہے یہاں کیونکر میرا گذارا ہوگا " ایلچی نے دل میں کہا میں نے کامران کو دانشمند انسان سنا تھا " پھر ایلچی نے عرض کیا " حضور غلطی سے کچھ ملا ہوگیا "

اس موقع پر ہمایوں نے عسکری کو بھی جاگیر عطا کی اور دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کا ہمسایہ بنا کر ہمایوں ۹۵۴ھ میں کابل کو واپس چلا آیا۔

ہمایون نے ۱۵۴۹ء میں ازبکوں اور بلخ کے خلاف ایک نقشہ جنگ ترتیب دیا۔ جنگ چونکہ مذہبی رنگ رکھتی تھی اسلئے بہت جلد اس کا خاتمہ ہوگیا اور شاہی فوج نے اس میں کافی جوش سے کام لیا۔

جنگ بلخ کے آغاز کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے مورخین کا بیان ہے کہ موسم بہار کا انتظار کیا جا رہا تھا اور اسکے انتظار میں لوگوں کی امید لگی ہوئی تھی آخر وقت آگیا بہار سے جنگل اور باغات کی کایا پلٹ دی بہار کی شادابی و تروتازگی نے خواتین کے دلوں میں بھی سیر و تفریح کا جذبہ پیدا کیا اور انہوں نے جہانبانی سے خواہش ظاہر کی کہ کوہستان میں رواش[1] کا موسم شباب پر ہے انکو بھی سیر و تفریح کی اجازت دیجائے خواتین کی یہ خواہش گویا اس امر کا اشارہ تھا کہ اب لشکر شاہی کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے اور کوہستان پہنچکر جہاں رواش پیدا ہوتا ہے رواش کے ذائقہ سے کام و دہن کی دعوت کیجائے۔

گلبدن بیگم نے خواتین کی سیر و تفریح اور اس پھل کے کھانے کا واقعہ نہایت دلچسپ طریقہ پر لکھا ہے جس سے دربار کے خانگی تعلقات پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

ہمایون نے کوہستان پہونچکر خواتین کو سیر و تفریح کی اجازت دیدی اور وہ رواش کھانے اور مناظر سے لطف اٹھانے میں ایسی منہمک ہوئیں کہ خرزاک آبشار کے قریب تک پہنچ گئیں اور پھر واپس چلی آئیں۔

---

[1] رواش ایک کھٹمٹھے درخت کا پھل ہے جو کوہستان میں پیدا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ہرے رنگ کا پھل ہے اور بعض سکو ربندی کی مانند بتلاتے ہیں یہ اسی طرح کھایا جاتا ہے جس طرح ہندوستان میں جنگلی بیر کھائے جاتے ہیں اور جنگلوں میں جا کر اس ذریعہ سے سیر و تفریح کیجاتی ہے ہمایون۔

بلخ پر حملہ کیلئے لشکر شاہی کی روانگی جس وقت ہوئی تھی اسکو منحوس خیال
کیا جاتا ہے اور وہ واقعی منحوس تھا کامران نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی اور
وعدہ اس نے ہمایوں سے کیا تھا اس کو توڑ دیا پھر گل چہرہ کا دوسرا خاوند بھی جو
ایک ازبک شہزادہ تھا کسی مخالفت کے سبب شاہی لشکر سے بھاگ گیا نتیجہ
ہوا کہ دشمن کے سامنے آنے سے پہلے شاہی لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا اور
بہت سے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔

ادھر کامران کابل کی آبادی پر ظلم و ستم کرنے میں مصروف تھا اور ادھر شاہی
لشکر کے بہت سے آدمی واپس چلے گئے صرف ہمایوں کی تنہا ذات رہ گئی تھی
اس حالت میں ازبکوں نے ہمایوں کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور بہت سے لوگوں کو
جو میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے پکڑ پکڑ کر کاٹ ڈالا اس معرکہ میں ہمایوں کا
گھوڑا بھی زخمی ہوا اور اسکو ناکام ہو کر واپس آنا پڑا وہ جب کابل پہنچا ہے تو کامران
وہاں موجود نہ تھا۔

۱۵۴۸ء میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر جوہر کے الفاظ میں مناسب ہے
وہ کہتا ہے کہ مرزا کامران برے ارادے اور فساد کی نیت سے اطراف ملک میں
پھر رہا تھا کہ قنغوق پہنچا تھا اس سے ہمایوں کی مڈبھیڑ ہو گئی دونوں میں مقابلہ ہوا
اور آخر کامران نے ہمایوں کے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔

کامران اور ہمایوں کی اس جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے کامران کی
بیویاں اور لڑکیاں جنگ کے منظر کو ایک بلند مقام سے دیکھ رہی تھیں اور فتح و شکست
کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا جوہر کا بیان ہے کہ اس وقت کامران کے
حرم کی خواتین اپنے سروں پر پگڑیاں باندھے ہوئے تھیں لیکن جبکہ یہ پگڑیاں انہوں نے
گرم ہوا سے محفوظ رہنے کیلئے باندھی ہوں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین

یہاں کیوں موجود نہیں سکا جواب غالباً وہ تاریخی واقعہ ہوگا جسکا ذکر تزک
بابری میں پایا جاتا ہے اور جو سلطان حسین بائے قرا کی بیوی سے تعلق رکھتا ہو
اور وہ واقعہ یہ ہے کہ شہربانو سلطان ابو سعید مرزا کی لڑکی اُس جنگ میں جو سلطان
حسین اور شہربانو کے بھائی محمود مرزا کے درمیان ہوئی تھی اپنے شوہر سلطان
حسین کی دوسری بیویوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھی حسین کی دوسری
بیویوں کی طرح اس نے بھی سر پر دستار باندھ رکھی تھی اور گھوڑے پر سوار تھی اسلئے
کہ اگر ضرورت ہو تو فوراً بھاگ سکیں لیکن جب شہربانو نے یہ دیکھا کہ اُسکے بھائی کو فتح
اور شوہر کو شکست ہوئی ہے تو وہ ایک میانہ میں سوار ہو گئی تاکہ آرام سے اسی میں
بیٹھی رہی جنگ ابھی جاری تھی اور آخری فیصلہ قریب تھا کہ سلطان حسین شہربانو کو محافہ
میں آرام و سکون کے ساتھ بیٹھے دیکھکر جل گیا وہ اسکی غیر ہمدردانہ روش کو
دیکھکر اسقدر سخت شبہ ہو گیا کہ فوراً اس کو طلاق دیدی۔

غالباً کامران کے حرم کی خواتین بھی جنگ کے منظر کو اسی نقطہ نظر سے
دیکھتی ہونگی تاکہ قسمت میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسکے مقابلہ کیلئے تیار رہیں۔

اس جنگ میں ہمایوں بھی بہت زخمی ہوا اور غیر متوقع طور پر بہت زیادہ
زخمی ہوا خضر خواجہ اس جنگ میں ہمایوں کے ساتھ تھا وہ اور میر سید بیرک ترمذی نے
ایک دو گھوڑے پر ہمایوں کو چڑھایا اور کیونکہ ہمایوں زخموں سے چور تھا اور اُس میں
خود گھوڑے پر سوار ہونے کی قوت نہ تھی۔

مختصر یہ کہ خضر خواجہ اور میر سید اس خطرناک موقع پر سے ہمایوں کو نکال لائے
اور اُسکو بہت کچھ تسکین دی اور ہمت بندھا کر دوسرے شہزادوں کے پیچھے سب
روانہ ہوئے جو اس جنگ میں سخت مصائب برداشت کرکے واپس ہو گئے تھے
ہمایوں کے زخموں میں سر کا زخم خطرناک تھا پھر بھی ایک مرتبہ بسپاہی

زخمی ہوا تھا لیکن اس کا زخم بہت معمولی تھا اور پگڑی نے اس کے سر کو محفوظ رکھا تھا
ہمایوں نے محفوظ مقام پر پہنچ کر اپنے خون آلود لبادے کو اتارا اور ملازم کو دیدیا
ملازم نے اس لبادے کو وہیں چھوڑ دیا معلوم نہیں کیونکر اور کس طرح اس لبادہ کو
کامران مرزا کے پاس پہنچایا گیا جس نے اس سے غیر معمولی فائدہ اُٹھایا اور وہ لبادہ
کو لیکر کابل پہنچا اور لوگوں نے کہا کہ ہمایوں مرگیا ہے اور یہ لبادہ اُس کی موت کا ثبوت
ہے اور اس طرح وہ پھر ایک مرتبہ کابل پر قابض ہوگیا۔
جوہر نے ان تباہیوں بربادیوں اور مصائب کی داستان خوب لکھی
ہے جن میں ہمایوں اس وقت مبتلا تھا وہ لکھتا ہے کہ اس جنگ میں ہمایوں نے
اپنے پڑاؤ کے سارے ساز و سامان کو ضائع کر دیا تھا اور تمام ضروری اشیاء
برباد ہوگئی تھیں۔
ہمایوں زخمی ہونے کے بعد ساری رات سردی میں بیٹھا رہا اور سخت تکلیف نے
اُسکے چہرہ کے رنگ کو زرد کر دیا صبح کیوقت معتمد لشکریوں نے جو حاجی محمد کوکہ
کے ماتحت تھے ہمایوں کو اُٹھایا اور ایک محفوظ تر مقام پر لے گئے جہاں اُسکو دھوپ
میں بٹھا کر اُسکے زخموں کو دھویا گیا اور پھر ایک گلنار تخت پر بٹھایا اُسنے شاہانہ
لباس کے بجائے اُس نے اپنے ایک ملازم کا لبادہ لیکر پہنا پھر اُس مقام
کی ایک سن رسیدہ عورت آئی اور اُسنے ہمایوں کی خدمت میں ایک پائجامہ
پیش کیا تاکہ وہ اُسکو پہن لے اور خون آلود پائجامہ کو جسم سے اُتار دے ہمایوں نے
یہ پائجامہ جو حقیقت میں زنانہ پائجامہ تھا اس سے لے لیا اور ساری عمر کے لئے
اُسکی زمین کے محاصل معاف کر دیئے۔
مورخین کا بیان ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد ہمایوں ابھی قبلہ رخ ہی بیٹھا تھا
کہ اسکے ساتھیوں میں ایک شخص جس کا نام سلطان محمد قراول تھا اُسکے سامنے آیا

اصلی رسوم کی ادائیگی کی اجازت چاہی جائے کے باپ کی علالت کے زمانہ میں ادا کی تھیں اس نے ادب سے عرض کیا کہ میں آپ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں جب ہمایوں نے اس کی عقیدت دوفاداری پر فخر کیا اس پر مہربانی و سلوک کا وعدہ کیا۔

تقریباً تین ماہ تک کابل میں اس امر کا یقین رہا کہ ہمایوں مرگیا کیونکہ ہمایوں کی موت کی خبر غم وا ندوہ اور خوشی دونوں پر مشتمل تھی وہاں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو صحیح کیفیت بتانے والا ہو اور نہ کوئی یہ رائے ظاہر کرنے والا تھا کہ ہمایوں کے مرنے کی خبر سیاہ و غیر صحیح ہوسکتی ہے۔ یہاں کابل میں جو فوجی افسر تھے انکی زیادہ تعداد کامران کا ساتھ دینے پر آمادہ تھی لیکن ان کی وفاداری اور اطاعت بالکل مشتبہ تھی

اگلی مرتبہ اکبر پھر کابل کے ساتھ اپنے چچا کے ہاتھوں میں آ گیا ہمایوں کی مخالفتوں اور جنگوں کی کسی نے پرواہ نہ کی اور اکبر کی حفاظت میں ہمایوں کی مخالفانہ روش کا کبھی خیال نہیں کیا گیا کامران اور عسکری دونوں کو اس کا خیال تھا لیکن مورخین کا دوسرا بیان یہی ہے کہ ایک مرتبہ کامران نے اکبر کو ہمایوں کی توپوں کے سامنے ڈالدیا تھا گلبدن بیگم بھی اس واقعہ کی تائید کرتی ہے لیکن اس نے اس واقعہ میں ماہم انگہ کے حصہ لینے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جس کی نسبت مورخین کا یہ بیان ہے کہ جب اکبر کو ہمایوں کی توپوں کے سامنے ڈالدیا گیا تھا تو اس نے اکبر کو بچانے کیلئے اپنے آپ کو آگے کر دیا تھا۔

اس واقعہ سے قطع نظر کرکے یہ ماننا پڑے گا کہ اکبر کے ساتھ بہترین سلوک کیا گیا تھا عسکری مرزا کی بیوی جس نے قندھار میں اکبر کو پرورش کیا تھا اکبر پر غیر معمولی طور پر مہربان تھی پھر کامران کا اکبر کو شاہزادہ کے سپرد کرنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اکبر کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

مختصر یہ کہ اکبر کئی بار اپنے چچا کے ہاتھوں میں آیا اور اُسنے اسکی حفاظت کی
یہاں تک کہ وہ اُن ایام میں بھی اُس پر مہربان رہا جبکہ اسپر حملہ کرکے اسکو مشتعل کیا گیا۔

خود کامران کا بھی ایک لڑکا تھا اور یہ امر کسقدر حیرت انگیز ہے کہ جب کامران
ہمایوں کے اقبال و عروج کو پستی میں تبدیل کرنے سے عاجز رہا اور اسکی کوئی کوشش
کامیاب نہوئی تب بھی اُسنے اکبر کو کوئی تکلیف نہ دی قرین قیاس تو یہ ہے کہ
ناکامیوں کے بعد کامران اکبر کو مار ڈالتا اور اپنے لڑکے کیلئے راستہ کو صاف کر دیتا۔

کامران کی شخصیت پر جو الزام عائد کئے جاتے ہیں اگر کامران کی زندگی کے
واقعات پر بغور گہری نظر ڈالی جائے تو ان میں بہت کچھ تخفیف ہو سکتی ہے مثلاً اکبر کی
حفاظت کا واقعہ اور کابل میں خطبہ کے اندر کامران کا نام نہ پڑھے جانے کا معاملہ
آخری واقعہ کی نسبت مورخین کا بیان یہ ہے کہ اگرچہ کامران نے اپنے خاندان
کی خواتین سے اس امر کی خواہش ظاہر کی تھی کہ خطبہ میں اُس کا نام پڑھا جائے
کامران کابل پر کامل اقتدار رکھتا تھا اور وہ ہر طرح اسکا مختار تھا کہ کابل پر اپنے
حکمران ہونے کا اعلان کرے لیکن اس نے اپنے اختیارات سے کام نہیں لیا اور
اس معاملہ کو شاہی خاندان کی خواتین کی رائے پر چھوڑ دیا اس بحث نے شاہی
خاندان کی خواتین میں اسقدر طول کھینچا کہ دلدار بیگم سے لیکر خانزادہ تک اس کی
نوبت پہنچ گئی۔

ہمایوں نے ان ایام کو اندراب میں بسر کیا سر کا زخم بتدریج بھر رہا تھا اور
منتشر شدہ لشکر واپس آکر جمع ہو رہا تھا سلیمن اور ابراہیم بھی یہاں موجود تھے یا نہیں
اسکی شہادت تاریخ سے نہیں ملتی۔

ہمایوں کے منتشر شدہ لشکر کو فراہم کرنا اور ہمایوں کی شکست خوردہ
طاقت کو بحال کرنا حقیقت میں حرم بیگم کا کام تھا اسنے بہت تھوڑے سے

وقت میں خزانہ آدمیوں کو فراہم کیا اور جلد سے جلد سپاہ کے ساز و سامان
کو بھی اکٹھا کر لیا گلبدن بیگم کے بیان سے کہ صرف حرم ہی کا یہ سارا نمایاں کام تھا
اور کسی دوسرے شخص کی اس میں عقلاً و عملاً کوئی شرکت نہ تھی اسے ہمہ تن
متوجہ ہو کر اس کام کو کیا وقت کو جمع کر لیا پھر اسی نے دشمن کے تنگ راستوں سے
لشکر کو نکالا اور تمام دشمنوں کا منہ کالا کیا وہ غائب ہو گئے۔

غالب گمان یہ ہے کہ سلیمن اور ابراہیم بھی ہمایوں کے ساتھ تھے اور
ہمایوں کی مدد کے لئے حرم نے مادی فوج بھی روانہ کی تھی۔

ایک مرتبہ ہمایوں کو جس جنگ میں حصہ لینا تھا وہ اشترگرام کی جنگ تھی
جس سے ابتدا ہمایوں نے پہلو تہی کی تھی لیکن کامران کا افسر خاص قراچہ خان
جنگ کو روکنے کے بجائے شروع کرنے پر مصر تھا اس جنگ میں کشت و خون کا
بازار خوب گرم ہوا اور فریقین کے بہت سے آدمی ضائع ہونے کا تماشا قراچہ خان
دیکھنا چاہتا تھا۔

ہمایوں نے معاملہ کو صلح سے سلجھانا چاہا لیکن چونکہ صلح میں کامران اور قراچہ کے لئے
کابل کے سوا کچھ نہ پڑتا تھا اس لئے ابتدائی سفارت ناکام رہی دوسری سفارت
نے یہ کوشش کی کہ ہمایوں کے بیٹے اکبر کی شادی کامران کی بھتیجی بیٹی (غالباً
عائشہ) کے ساتھ ہو جائے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے سفارت نے یہ ظاہر کیا
کہ اس صورت میں کابل کی حکومت کامران کی بیٹی کے ہاتھ میں ہی رہے گی پھر
سفارت نے یہ بھی کہا کہ باہم صلح ہو جانے کے بعد ہمایوں اور کامران کے لشکر متحد ہو کر
ہندوستان کی طرف آئیں اور ہندوستان کے مقبوضات کو واپس لیں لیکن
سفارت کی ان مساعی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور وہ واپس چلی گئی اس کے بعد قراچہ خان نے
شور و غوغا شروع کیا کہ کابلی جنگ کے حق میں ہیں اور ہم کو جنگ پر مجبور کر رہے ہیں

آخر کامران اور ہمایوں کے لشکر میدان میں آ گئے جنگ ہوئی اور طرفین فریق نے حق جانبازی ادا کیا لیکن کامران کا لشکر ہمایوں کی سپاہ پر غالب نہ آ سکا اور کامران کو شکست فاش نصیب ہوئی اس جنگ کے نتائج میں سب سے بہتر نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر ہمایوں کی حمایت و حفاظت میں آ گیا اور جو خطرہ اس جنگ کے بعد کامران کے پاس رہنے میں اس کی جان کے لئے پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا ہمایوں نے اپنے نونہال کو پانے کی خوشی میں دل کھول کر خیرات کی اور آئندہ کے لئے اسکا عہد کیا کہ اب وہ اکبر کو کبھی اپنے سے علیحدہ نہ کرے گا۔

جنگ کے بعد خوش قسمتی سے ہمایوں کو اپنی ایک گم شدہ چیز مل گئی اسنے مال غنیمت میں سے جب اپنا حصہ طلب کیا تو اس کو دو اونٹ ملے جنکے سامان کو کھولا تو ان اونٹوں پر کتابیں لدی ہوئی تھیں یہ وہ کتابیں تھیں جنکو ہمایوں قپچاق میں کھو بیٹھا تھا ان میں زیادہ تعداد تو شعرائے فارس کے دواوین کے قلمی نسخوں کی تھی ہمایوں فنون لطیفہ مصوری موسیقی شاعری اور سنگ تراشی کا بہت شائق تھا اور شعراء کے کلام سے خاص دلچسپی رکھتا تھا کتابوں کا یہ خزانہ ملجانے سے ہمایوں کو بے انتہا خوشی ہوئی۔

کامران نے شکست کھا کر پھر ہمایوں کے خلاف جد وجہد شروع کی بیسویں نومبر ۱۵۵۱ء کو اس نے ہمایوں کے لشکر پر شبخون مارا جس نے ہندال کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد اس نے ہندوستان کے بادشاہ سلیم شاہ سے مدد طلب کی لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہا جس سے مجبور ہو کر آخر گکھڑوں کے علاقہ میں پکڑ کر گرفتار کر لیا گیا اور ہمایوں کے پاس لایا گیا اور امرائے شاہی کے اصرار سے اگست ۱۵۵۳ء کو اس کی دونوں آنکھیں نکال لی گئیں اور اس کو مکہ معظمہ جانے کی اجازت دیدی گئی۔

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کامران کے ساتھ اس کی بیوی ماہ چوچک
کو بھی مکۂ معظمہ روانہ کیا گیا تھا اور ایک بابر کا خاص ملازم چلما بیگ بھی اس کے ساتھ تھا
کامران نے چار مرتبہ حج کیا اور ۵ اکتوبر ۹۶۴ھ کو اس کا انتقال ہو گیا

کامران کے بعد اس کی بیوی ماہ چوچک صرف سات مہینے زندہ رہی پھر
اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

کامران کے ساتھ مکۂ معظمہ اس کی اور بیویاں بھی گئی تھیں یا نہیں تاریخوں میں اس کا
کوئی ذکر نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ دوسری بیویوں نے بھی اس کے ساتھ وفاداری
کی ہو گی اور وہ بھی ضرور اس کے ساتھ گئی ہوں گی کہا جاتا ہے کہ ماہ چوچک کے باپ نے
ماہ چوچک کو جانے سے روکا تھا لیکن اس نے باپ سے صاف کہہ دیا کہ میرا فرض
منصبی ہے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ جاؤں اور میں ضرور جاؤں گی۔

کامران اگر اپنی زندگی کے حالات لکھتا تو وہ نہایت دلچسپ ہوتے وہ اپنے
ارادوں۔ خواہشات جذبات۔ واقعات کی صحت اور غلطی رائے پر جنگوں میں شکست
و فتح۔ نابینا کر دیئے جانے کا واقعہ اور موت سے پہلے دینی فرائض کی انجام دہی
وہ ان تمام امور کے متعلق بالتفصیل سے لکھتا اور اس صورت میں ہمارے سامنے
ایک ایسا مواد ہوتا جس پر ہم آسانی کے ساتھ بحث و گفتگو کر سکتے تھے لیکن اب
ہم بالکل تاریکی میں ہیں اور کوئی مناسب فیصلہ نا ممکن ہے۔

جو واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں ان کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کامران
نے قتل اور فریب دہی کا بیشک ارتکاب کیا ہے اس نے بدعہدی بھی کی ہے اور اس کی
شخصیت ان افعال سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی لیکن کابل پر تصرف و اقتدار
قائم رکھنے کے واقعات کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنے تمام کاموں میں حق بجانب
تھا کامران کا کوئی درباری مورخ نہ تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس پر جو الزامات لگائے

گئے ہیں اُن میں مبالغہ بھی ہو اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمایوں کے نقائص کامران کی کمزوریوں کے مقابلہ میں نمایاں نہ ہوسکے ہوں۔

کامران کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ واقعات کی پیچیدگی کے سلسلہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان وفاداروں کا بھی چند الفاظ میں ذکر کیا جائے جو ہمایوں کے وفادار رہے ہیں۔

عسکری مرزا جس کو ہندستان کا علاقہ [illegible] جاتی [illegible] تھی اس کو بھی کہ معظمہ چلے جانے کی اجازت دیدی گئی اس [illegible] میں انتقال ہو گیا اور کامران عرصہ دراز تک [illegible] کا منظر دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ [illegible] کی شاخ کمزور ہو کر ٹوٹ گئی اور اس کی جگہ دوسری شاخ الٰہی کی صورت میں نمودار ہوئی جس اُس کے سرداروں نے ایک تناور درخت بنا دیا۔

چوتھی فصل

کچھ حرم بیگم کے متعلق

اب ہم پھر پچھلے زمانہ کے واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کا تعلق حرم اور بیگم خواتین سے ہے۔ واضح ہو کہ ۱۵۵۱ء میں سب سے آخری بچے بخشی بانو کی نسبت حرم کے لڑکے ابراہیم سے قرار پائی جو [illegible] بخشی بانو اور ابراہیم دونوں کے بچے ہی تھے لیکن اس کے ساتھ ہی شخصیت کی [illegible] ہے حرم کی [illegible]
اس قدر وابستگی ہے اگر ان کو [illegible] ذکر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہمایوں نے [illegible] میاں [illegible] فتح حاصل کرنے کے بعد کابل میں اقامت پذیر تھا اور سلیمان [illegible]

کے ایام بسر کر رہا تھا کہ ایک شخص کو حرم کی خدمت میں یہ پیام دیکر روانہ
کیا۔ وہ ملتی تھی کہ بیٹی وہ خان مرزا کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ حقیقت میں یہ پیام
وہ شخص سے [illegible] ہوگیا تھا۔ حرم کے خیال میں اس کے اہل نسب یا تک
شاہی خاندان سے [illegible] تھے اور [illegible] علم تھے ایک تو ان میں سے خواجہ
جلال الدین محمود تھا جو کہ [illegible] کے وقت دو ہزار پانچ سو سپاہیوں کا
افسر تھا اور [illegible] جس نے ۱۵۲۲ء میں جبکہ ہمایوں سخت بیمار
تھا اس کی بہت بڑی خدمت کی تھی۔

حرم بیگم جس نے بدخشان کی سرداری بہت حوصلے سے کی ایک ایسی عورت تھی جس کی
رگوں میں سکندر [illegible] کا خون موجزن تھا یہ ایک قبیلے کے سردار کی لڑکی تھی جب
ہمایوں کے پیامبر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا "خاندان
شاہی کی کوئی بیگم یا خاتون اس غرض کیلئے کیوں نہیں آئی ہم جانتی ہیں کہ ان پیام رسانوں
کے بھیجنے سے ہمایوں کا مقصد اس کا تمسخر نہیں ہے تو اس لئے کہ ہمایوں نے حال
ہی میں اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے کیساتھ کی تھی۔

آخر حرم بیگم نے پیغام رسانوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہمایوں خود آئے اور
اپنی دلہن کو لے جائے۔

حرم کے خاندان سے ہمایوں کے خاندان کے تعلقات قائم ہونے کے
سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حرم کی ایک بیٹی محترمہ خانم چغتائی بھی کامران
کے مرنے کے بعد سلیمان نے اس سے شادی کرنی چاہی تھی لیکن حرم نے اس کو
پسند نہ کیا اور اپنی بہو بنانے کیلئے اس کی ابراہیم کی شادی کر دی۔

پانچویں فصل

ہندال کی موت کا اثر گلبدن پر

کامران نے ۲۰ نومبر ۱۵۵۱ء کو ہمایوں کی سپاہ پر شب خون مارا تھا جس میں ہندال مارا گیا تھا گلبدن بیگم کو ہندال کی موت کا سخت صدمہ ہوا ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم اس واقعہ کا ذکر نہایت درد انگیز الفاظ میں کرتی ہے چنانچہ وہ لکھتی ہے کہ "یہ تو بتاؤ بیٹے مرے اور شوہر کو اس شب خون میں کیوں نقصان نہیں پہنچا اور یہ بجلی صف میرے بھائی پر ہی کیوں گری۔"

گلبدن بیگم کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو ہندال کی موت کا غیر معمولی صدمہ ہوا تھا اور وہ ہندال کی موت کو ایک ایسا واقعہ خیال کرتی تھی کہ اسکے مقابلہ میں شوہر اور بیٹے کی موت کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

خاندان شاہی کی خواتین کیلئے وہ زمانہ نہایت تکلیف اور اذیت رساں تھا جبکہ کامران کی بدولت انہوں نے ہر ایک کا سوگ منایا تھا ہمایوں اگرچہ صرف زخمی ہوا تھا لیکن کامران کے آدمیوں نے اس کی موت کی خبر مشہور کر دی تھی اور تین ماہ تک شاہی خواتین اس کے سوگ میں رہی تھیں جبکہ کامران ہی کی بدولت ان کو ہندال کی موت کا سوگ بھی کرنا پڑا تھا۔

ہندال کو خضر خواجہ کی جاگیر واقع جوئے شاہی کے قریب دفن کیا گیا تھا پھر اسکی نعش کو کابل پہنچایا گیا اور بابر کے قریب دفن کیا گیا ہندال کی عمر اسوقت بتیس سال کی تھی اور صرف ایک لڑکی اسکی یادگار تھی جس کا نام رقیہ بیگم تھا رقیہ بیگم سے اکبر کی پہلی شادی ہوئی تھی اس نے بڑی عمر پائی اکبر کی وفات کے بعد بھی وہ زندہ تھی اور اٹھاسی سال کی عمر پائی۔

بدقسمتی سے گم ہے۔ بیگم کی کتاب ہمایوں نامہ کا خاتمہ ناقص ہونیکی وجہ سے ایک بہت تنگی کی کا دورہ ناب ہے۔ اسمیں جو واقعات مذکور ہیں وہ صرف کامران کے اندھا کئے جانے تک محدود ہیں۔ ہمایوں نامہ کا جو نسخہ دستیاب ہوا ہے وہ صرف وہ نسخہ ہے جو برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں موجود تھا اس کے گمشدہ صفحات نہایت صدمہ انگیز ہیں۔

ہمایوں نامہ میں اکبر کی تخت نشینی سے تین سال قبل کے حالات نہیں پائے جاتے اکبر کی تخت نشینی کے ایک سال بعد گلبدن بیگم ہندوستان گئی ہے اور اسنے ہمایوں نامہ میں اکبر کے عہد کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔

چھٹی فصل

ہندوستان پر قبضہ

ہمایوں کو جب اپنے بھائیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اسنے ۱۵۵۴ء میں پھر ہندوستان کا رخ کیا وہ ۱۵ نومبر ۱۵۵۴ء کو کابل سے روانہ ہوا یہ تاریخ بابر کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی تاریخ ۱۵۲۵ء سے اسقدر مناسبت و مشابہت رکھتی ہے کہ ان دونوں حملہ آوروں کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ندائے غیب پر اپنا سفر شروع کیا تھا

ہمایوں اکبر کو ساتھ لیکر سکون و طمانیت کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے جلال آباد ہوتا ہوا پشاور پہنچا دریائے انڈس کے اس پار پہنچنے اور ایک فاتح حملہ آور کیطرح ہندوستان کیطرف بڑھنے کے واقعات مسٹر ارسکن نے نہایت تفصیل سے لکھے ہیں جنکو نقل کرنے کی یہاں کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی مختصر یہ ہے کہ ۲۳ جولائی ۱۵۵۵ء کو دہلی میں ہمایوں کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا گیا

اس زمانہ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس کی آمد کا واقعہ ہے یہ سلیمان اعظم ترکی خلیفہ کا امیر البحر تھا اس کے ساتھ پچاس نفر اور چند غلام بھی تھے یہ سورت سے لاہور آیا اور پھر ہندوستان کے مقامات کی سیر کرکے ترکستان واپس چلا گیا ہندوستان کے مسلمانوں نے اسکو خوش آمدید کہا اور خوب خاطر مدارات کی۔

ترکی امیر البحر نے اپنے سفرنامہ میں ہندوستان کے حالات بھی لکھے ہیں جن میں کئی جگہ اس سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں وہ جب ہندوستان سے سلطان حسین ارغون کے پاس پہنچے تو وہاں اسکا شاندار استقبال ہوا تھا حسین ارغون کی نسبت اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ اسنے چالیس سال [illegible] حکومت کی حکومت کے آخری پانچ سالوں میں وہ اس قدر ضعیف ہو گیا تھا کہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتا تھا اور باہر آنے جانے کیلئے کشتیاں استعمال کرتا تھا ایک اور مقام پر وہ شاہ حسین ارغون کی نسبت لکھتا ہے کہ اسکو ایک خاص قسم کا بخار آتا تھا اور اس بخار سے اپنی زندگی کو بچانے کیلئے وہ پانی کے اندر بیٹھا رہتا تھا ترکی امیر البحر کے سفرنامہ میں جو چیز سب سے دلچسپ ہے وہ ہندوستان کے اندر اسکے پچھلے سفر کے حالات ہیں یعنی سورت سے لاہور کا سفر لاہور میں وہ ماہ اگست میں آیا تھا جبکہ ہمایوں کو ہندوستان پر قبضہ کئے ہوئے صرف تھوڑے ہی سے دن ہوئے تھے لاہور میں وہ ہمایوں کے ایک [illegible] سے ملا اور شاہی احکام کا انتظار کرنے لگا لاہور کے گورنر نے اسکو بھی یہیں ٹھہرالیا تھا اور چاہتا تھا کہ ہمایوں آکر اس سے ملاقات کرے ہمایوں نے دہلی پہنچ کر ترکی امیر البحر کو طلب کیا اور اسکے استقبال کو آدمی بھیجے چنانچہ ابتداً لکھنو میں دہلی کے باہر خان خاناں نے دوسرے جلیل القدر امرا ایک ہزار سپاہیوں اور چھ سو ہاتھیوں کے ساتھ اسکا استقبال کیا خان خاناں نے اسکے ساتھ کھانا کھایا اور پھر امرا سے اسکا تعارف کرایا۔

ہمایوں کا ارادہ تھا کہ اپنے ندیم بنا کر رکھے اور مستقل طور پر اُس کو اپنے
پاس رکھے اور یہ ممکن نہ ہو تو جس قدر مدت تک وہ قیام کر سکے اسکو اپنے پاس
ٹھہرائے تاکہ اس سے کسوف و خسوف و عرض البلد کا صحیح درجہ وغیرہ معلوم کرنے میں
مدد حاصل کرے اور چاہتا تھا کہ نجومی مذکور آفتاب کی رفتار کا راستہ اور منطقہ ماہ کے
مقامات دریافت کرنے میں اس سے مدد لے۔

ہمایوں ترکی امیر البحر کو اپنے پاس اسلئے بھی رکھنا چاہتا تھا کہ وہ چغتائی خاندان
کی ترکی زبان میں بہترین شعر کہتا تھا۔ ایک قابل مورخ تھا اور ہمایوں نے اسکو
علی شیر النوائی دوم کا لقب عطا کیا تھا۔

ترکی امیر البحر نے دہلی پہنچکر پہلے ہی اجتماع میں فتح دہلی کی تاریخ کہی اسکے علاوہ اُسنے
اور تاریخیں بھی کہیں جن کی اسکو خاطر خواہ داد ملی یہ نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا
اسکا ادبی میلان اور علمی قابلیت ہمایوں کو غیر معمولی طور پر پسند ہوئی۔

شاعری و تاریخ گوئی کے علاوہ ترکی امیر البحر دوسرے علوم میں بھی کافی دستگاہ رکھتا
تھا اور اس کو اگر ایک شاعر کے بجائے ایک مصنف کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا
انہیں علوم و فنون کے کمال نے اسکو ہر جگہ عزیز بنا دیا تھا چنانچہ محمود بھکری اور
ہمایوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کا موجب یہی ہوا سلطان محمود بھکری اسکا
چچا بیربان خان تھا جس نے ہمایوں کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا اور اسکے ہاتھ روانہ
کیا تھا جب یہ خط ہمایوں کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنی انگلی زعفران میں ڈبوکر
خط کی تحریر پر رکھ دی جو خوشنودی مزاج کی علامت تھی سلطان محمود کو اسکا علم
ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور ترکی امیر البحر کو اس اعزاز کے حصول پر شکریہ کا خط لکھا

دہلی کے قیام میں ترکی امیر البحر کے تعلقات کا دائرہ صرف بادشاہ تک
محدود نہ تھا وہ اکثر ہمایوں کے پاس رہتا اور فلکیات و دیگر فنون لطیفہ سے اسکا دل

خوش کرتا رہتا تھا اپنے بادشاہ کی تعریف میں بھی غزلیات کہی ہیں اور انکو باقاعدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

جب اسکی واپسی کا معاملہ تعویق میں پڑ گیا اور وطن کی محبت نے اسکو سفر پر مجبور کیا تو اس نے دو غزلیں کہیں جن میں روانگی کی اجازت چاہی گئی تھی اُن غزلوں کو اسنے شاہی مہرداں کی معرفت خدمت میں پیش کیا بادشاہ نے یہ غزلیں کافی توجہ سے سنیں اور اسکو انعامات دیکر رخصت کی اجازت مرحمت فرما دی۔

ترکی امیر البحر نے جو حالات قلمبند کیے ہیں ان میں ہمایوں کی غیر معمولی تعریف کی ہے یہ تعریف انعامات کا صلہ نہیں تھا بلکہ وہ محبت تھی جو ہمایوں کو ترکی امیر البحر سے تھی اور پھر وہ قدردانی جو ہمایوں نے اس باکمال شخص کی کی تھی۔

ترکی امیر البحر ابھی دہلی سے روانہ نہ ہوا تھا کہ ہمایوں ایک حادثہ کا شکار ہوا اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی لیکن اس حادثہ کا اسکی روانگی پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ ہمایوں کی وفات کے ارکان حکومت کو مفید مشورات دیکر روانہ ہو گیا۔

ہمایوں کی موت اس کی بہادرانہ روش پر مبنی تھی وہ اپنی نوعیت میں اس اعتبار سے یگانہ تھی کہ وہ شیر شاہ کی بنائی ہوئی عمارت میں واقع ہوئی اسکی عمر کے آخری لمحے نہایت اچھے تھے اور تمام کاموں کو اسنے خوشی کیساتھ انجام پہنچایا تھا وہ اپنی وفات کے حادثہ کے دن اپنے دوستوں سے ملاقات کر چکا تھا اور ان زائرین سے بھی اسکی ملاقات ہو چکی تھی جو حال ہی میں مکہ معظمہ سے آئے تھے ان زائروں سے وہ اپنے بھائیوں کی خیریت و حالات بھی دریافت کر چکا تھا کابل سے آئے ہوئے خطوط بھی اسکو سنائے جا چکے تھے اور آج کے واقعات سے وہ بہت خوش و مسرور تھا۔

شیر منڈل کی عمارت جسکو اس نے اپنا کتب خانہ بنا لیا تھا دو منزلہ عمارت

جس کی چھت مسطح تھی درمیان میں ایک چھتری نما چھوٹا سا گنبد تھا چھت پر جانے کے
واسطے دو تنگ زینے شمال جنوب بنے ہوئے تھے جن کی سیڑھیاں نہایت اونچی تھیں۔
دونوں زینے دیوار سے چپکے ہوئے تھے اوپر کے زینہ کا دروازہ چھت پر لگا ہوا تھا
تمام کاموں سے فارغ ہو کر ہمایوں حسب دستور شیر منڈل کی عمارت کے اوپر
گیا جو لوگ زیارت کے لئے نیچے صحن میں موجود تھے انکو بھی زیارت سے مشرف
کیا اور پھر ستارہ زہرہ کے طلوع ہونے کا منتظر رہنے لگا۔ بادشاہ غالباً اس لئے
ہوگا تاکہ اپنے دربار کو منعقد کرنے کے لئے ساعت سعید دریافت کر سکے۔
جمعہ کا دن اور شام کا وقت تھا جنوری ۱۵۵۶ء کی چوبیسویں تاریخ کہ
بادشاہ ہمایوں اپنے مشاغل سے فارغ ہو کے شیر منڈل کی سیڑھیوں سے نیچے
اتر رہا تھا ابھی دوسری سیڑھی پر تھا کہ اسکے کانوں میں اذان کی آواز پڑی سید علی
رئیس ترکی امیر البحر کا بیان ہے کہ ہمایوں کی عادت تھی کہ جب وہ اذان کی آواز سنتا
تھا تو دو زانو ہو جاتا تھا چنانچہ اذان کی آواز سن کر وہ دو زانو بیٹھ گیا ایک مورخ کہتا ہے
کہ اس نے اذان کی آواز سن کر بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس کا پاؤں پوستین میں الجھ
گیا اور وہ سیڑھی پر گر پڑا ایک گیا اس کا عصا دور تک گیا سیڑھیوں پر سے پھسلتا ہوا
چلا گیا اور ہمایوں زینے کے نیچے آ گرا اسکے بائیں طرف کنپٹی میں سخت چوٹیں آئیں
اور وہ بیہوش ہو گیا۔
ہوش آنے پر اس نے اپنے بیٹے اکبر کو خط لکھوایا جس میں ممکن ہے کہ خطرناک
زخموں کا حال تفصیل سے لکھا گیا ہوگا امیر البحر نے اس حادثہ کے جو حالات لکھے ہیں
ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر کے زخم اتنے سخت تھے کہ ہمایوں آخری وقت
تک ہوش میں نہیں آیا اور اس واقعہ کے تین دن بعد یعنی ستائیسویں جنوری کو
اڑتالیس سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔

ہمایوں کی وفات پر ترکی امیر البحر کی زبان سے بے اختیار یہ کلمے ادا ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن یعنے ہم خدا ہی کے پاس سے آئے ہیں اور اسی کے پاس واپس جانا ہے پھر اسنے یہ کہا کہ موت سے آہنی برجوں میں بھی مفر نہیں۔

ہمایوں کی وفات کے بعد ترکی امیر البحر نے ارکان سلطنت اور خاندان شاہی کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اسوقت تک موت کے حادثہ کو مخفی رکھیں جب تک کہ اکبر دہلی نہ پہنچ جائے اس مشورے کے سلسلہ میں اسنے اپنے ملک کے چند واقعات بھی بتلائے چنانچہ چند روز بعد ایک شخص کو جو ہمایوں کی شکل و صورت سے کامل مشابہت رکھتا تھا شاہی لباس میں لوگوں کو دکھایا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ اب بادشاہ کو آرام ہے عوام کو اس سے اطمینان ہو گیا اور بادشاہ کی صحت میں جگہ جگہ خوشیاں منائی گئیں۔

ترکی امیر البحر اسکے بعد دہلی سے رخصت ہو کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا اور راستہ میں یہ مشہور کرتا گیا کہ اب بادشاہ کو آرام ہے۔ لاہور پہنچکر اسکو معلوم ہوا کہ اکبر کی تخت نشینی کی رسم ادا ہو گئی ہے اور جمعہ کے خطبہ میں اکبر کا نام پڑھا گیا ہے لاہور میں پھر دوبارہ ترکی امیر البحر کو بادشاہ کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اسکو ٹھہرنا پڑا یہ احکام جن کے بموجب ترکی امیر البحر کو اپنا سفر شروع کرنے سے پہلے اجازت درکار تھی یا تو براہ راست دہلی سے موصول ہوئے ہونگے یا مقامی حکام نے کسی مصلحت سے ان کو جاری کیا ہوگا بہر نوع چند روز بعد کلانور کے مقام پر ترکی امیر البحر کو اکبر کے حضور میں پیش کیا گیا اکبر نے اپنے باپ کے پروانہ کا احترام کیا اور وطن کی زیارت کے شوق سے ترکی سیاح کو واپس جانیکی اجازت دیدی اخراجات کیلئے کافی روپیہ دیا اور حفاظت کے لئے لشکر کو ہمراہ کر دیا۔

کابل پہنچکر ترکی امیر البحر نے ہمایوں کے دو لڑکوں محمد حکیم اور فرخ فال کو دیکھا

جو سن ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئے تھے ان میں سے ایک ماہ چوچک کے بطن سے تھا اور دوسرا خانش آغا خوارزمی کے بطن سے۔

سید علی رئیس ترکی امیر البحر نے کابل کو غیر معمولی خوبصورت پایا اس کے برفانی پہاڑوں۔ باغات۔ اور چشموں سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ اپنے سفر نامہ میں اس کی غیر معمولی تعریف کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "کابل میں ہر جگہ تفریح اور نزہت کا سامان موجود ہے۔ میووں کے درخت لدے ہوئے ہیں غالباً جو بات یہاں موجود ہے وہ جنت میں نہ ہو گی"۔

ترکی امیر البحر کو کابل میں زیادہ قیام کا موقع نہیں ملا شہر میں داخل ہو کر اُس نے منعم خاں سے ملاقات کی منعم خان نے اسکو بتلایا کہ آپ اپنے سفر کو پہاڑی دروں میں جاری نہیں رکھ سکتے ان راستوں اور دروں سے صرف وہی لوگ گذر سکتے ہیں جو یہاں کے باشندے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ طالقان کا راستہ اختیار کیا جائے چنانچہ ترکی امیر البحر نے طالقان ہی کے راستہ کو اختیار کیا اور وہاں سلیمان اور ابراہیم سے ملاقات کی جہاں اسکا شاندار استقبال کیا گیا یہاں ہی اسنے غزلیں کہیں اور حکمران کی خدمت میں پیش کیں۔

اب ہم ترکی امیر البحر کو طالقان میں چھوڑتے ہیں اور اُس سے رخصت ہونا مناسب سمجھتے ہیں

تیسرا باب

اکبر اعظم کا عہد

پہلی فصل

خاندان شاہی کی خواتین کی طلبی

اکبر کے سر پر جس وقت تاج رکھا گیا ہے اسکی عمر زیادہ نہ تھی لیکن ارکان سلطنت لائق اور وفادار تھے انہیں کی اعانت و سرپرستی اور سربراہی نے ہندوستان میں حکومت شروع کی اور تمام مشکلات پر قابو حاصل کر لیا۔

اکبر کا عہد شاہی خاندان کی خواتین کے لئے امن و سکون اور عافیت کا عہد تھا اب نہ انکو دشمن کے خوف سے بھاگنے کی ضرورت تھی اور نہ بے امنی و خطرات میں زندگی بسر کرنے کا موقع۔

ہمایوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں خاندان شاہی کی خواتین کو ہندوستان طلب کرنے کیلئے جو نقشہ تیار کیا تھا اکبر نے اپنی حکومت کے پہلے ہی سال میں اسکو منسوخ کر دیا اور اس تنسیخ کی وجہ یہ تھی کہ ان ایام میں اکبر غداروں اور مخالفوں کی سرکوبی میں مشغول تھا ایک طرف ابوالمعالی تھا جس نے اکبر کے تخت نشین ہوتے ہی مخالفت شروع کر دی تھی اور اکبر کو اسکے مقابلہ پر فوج روانہ کرنی پڑی تھی دوسری جانب سکندر افغان کی سرکشی تھی اور تیسری طرف ہیمو بقال تھا جو پانی پت میں علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھے اکبر نے ان تینوں باغیوں کی سرکوبی میں پوری توجہ سے کام لیا اور سب کو شکست دی۔

اس طرف سے مطمئن ہو کر اکبر نے کابل سے خواتین شاہی کو لانے کیلئے امراء کو نامزد کیا اور حفاظت کے لئے فوجی افسر روانہ کئے گئے روانگی کے وقت ان امراء اور فوجی افسروں کو یہ حکم دیا گیا کہ کابل پہنچکر وہ سب پہلے سلیمان مرزا کا مقابلہ کریں جو بدخشان پر قابض ہو کر کابل کی طرف آرہا تھا اور جسکو ہمایوں کی موت کی خبر نے اس امر پر آمادہ کر دیا تھا کہ وہ جلد سے جلد کابل پر قبضہ کرے۔

سلیمان مرزا کا خیال یہ تھا کہ ہمایوں کے بعد چونکہ تیموری خاندان میں وہ سب سے بڑا سردار ہے اس لئے وہ کابل کی حکومت کا حقدار ہے اس استحقاق کی

ایک جمعہ ہی تھی کہ کابل میں ایک مرتبہ خطبہ کے اندر اس کا نام پڑھا گیا تھا۔
سلیمان مرزا کا حملہ اکبر کے عہد میں کابل پر پہلا حملہ تھا جسکو اکبر کے فوجی افسروں
اور امراء نے روک دیا تھا اور سلیمان مرزا واپس چلا گیا تھا۔

کابل سے شاہی خاندان کی خواتین وقت مقررہ پر ہندوستان کی طرف
روانہ ہوئیں تاکہ ۹۶۳ھ کے شروع ہی میں وہ ہندوستان پہنچ جائیں اور اس لشکر
سے جا ملیں جو مانکوٹ میں مغربی سوالک میں پڑا ہوا تھا۔

خواتین جب شاہی لشکر کے قریب پہنچیں تو اکبر ایک منزل ادھر ان کے
استقبال کو آیا اور خاص عزت و شان سے اُن کا استقبال کیا اور اس ملاقات
سے بے حد مسرور ہوا۔ خواتین میں اکبر کی ماں حمیدہ بانو بیگم کے ساتھ گلبدن بیگم، گل چہرہ،
حاجی بیگم اور سلیمہ تھیں اور فوجی افسروں کی بیویوں کی بھی ایک خاص تعداد شامل تھی۔
شاہی خواتین غالباً اسوقت لشکر ہی میں مقیم رہیں جب تک کہ لشکر اقامت پذیر
رہا یہاں سے لشکر لاہور چلا گیا اور خواتین کا قافلہ ستمبر ۱۵۵۷ء کو دہلی روانہ ہوا جالندھر
میں جو شاہی لشکر پڑا ہوا تھا اسنے خواتین کے قافلہ کا استقبال کیا یہیں سلطان
سلیمہ بیگم کی شادی بیرم خان خانخانان کے ساتھ ہوئی یہ بابر کی پوتی اور ہمایوں کی
بھتیجی تھی۔

بیرم خان سے جو رشتہ ہوا تھا وہ ہمایوں کا تجویز کیا ہوا تھا ابوالفضل نے اس
واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مجھوں کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر
نے سلیمہ بیگم سے بیرم خان کی باقاعدہ شادی کی تھی نسبت کا معاملہ نہیں کیا تھا
اس تشریح کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ بعض مورخین نے اسوقت
سلیمہ کی عمر پانچ سال بتائی ہے جو حقیقت میں غلط ہے۔

بیرم خان کو یہ اعزاز اسلئے بخشا گیا تھا کہ اسنے ہمایوں کی غیر معمولی خدمت

اکبر بادشاہ

کی تھی۔ ہندوستان پر ہمایوں کو قبضہ دلانے میں کارہائے نمایاں کئے تھے
پھر اکبر کے اقتدار کو قائم کیا اور سلطنت پر قبضہ بحال رکھنے میں اس کی غیر
معمولی ہوئی تھی بیرم خان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے وہ ہر طرح اس کا مستحق
تھا کہ سلیمہ بیگم کے ساتھ اس کی شادی کی جاتی اور وہ بادشاہ کی بیٹی کا شوہر بنتا۔

بیرم خان نہایت دانشمند اور ہوشیار آدمی تھا اس نے اپنی دانائی وفاداری
اور نیک بختی کی بدولت ارکان سلطنت میں خاص اعزاز حاصل کر لیا تھا اور اپنے
ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ کر صف اولین میں جگہ حاصل کر لی تھی سلیمہ بیگم بھی نہایت
ہوشیار اور سمجھدار تھی تعلیم یافتہ تھی اور شاعرہ لیکن صفات و کمالات کے اعتبار
سے بیرم خان کے مقابلہ میں دوسرا درجہ رکھتی تھی بیرم خان سلیمہ کیلئے موزوں
تھا اور سلیمہ بیگم بیرم خان کے لئے۔

دوسری فصل

خضر خواجہ خاں اور گلبدن بیگم

خضر خواجہ خان ۹۶۲ھ میں ہمایوں کے ساتھ گیا تھا اکبر نے ۹۶۳ھ کے
آغاز ہی میں اسکو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور سکندر افغان کی سرکوبی پر مامور فرمایا
اس زمانہ میں خود اکبر ہیمو بقال سے مصروف کارزار تھا خضر خواجہ خان نے سکندر
افغان سے مقابلہ کیا لیکن اس معرکہ میں اسکو شکست ہوئی۔

خضر خواجہ خان کوئی بڑا سپاہی نہ تھا اور اس سے پہلے اسکو کبھی کسی ذمہ
داری کے کام پر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا اسکے اعزاز و اکرام کی اگر کوئی وجہ تھی
تو صرف یہ کہ وہ ہمایوں کی بہن اور اکبر کی پھوپھی گلبدن بیگم کا شوہر تھا اور اسی حیثیت
سے اس کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔

وفاداری کے مناسب ہے چونکہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اسلئے اس کا
دربار میں حاضر رہنا محض بیکار ہوتا تھا۔ بہر مرتبہ مظفر خواجہ خاں نے اکبر کی خدمت
میں شغف کے طور پر چند گھوڑے بھی پیش کئے تھے ۱۵۶۳ء میں اسنے اکبر کی علالت
کے ایام میں اکبر کی بہترین خدمت کی تھی جبکہ وہ خود بھی زیر علاج صاحب فراش تھا
مظفر خواجہ خان کو دربار سے ایک اعلیٰ فوجی منصب عطا ہو گیا تھا اور بعد
میں کے اسکو امیر الامراء کا منصب بھی مل گیا تھا لیکن آئین اکبری میں ابوالفضل
نے اسکا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ طبقات میں لکھا ہے کہ منصبداروں کی فہرست
میں مظفر خواجہ خان کا بڑا درجہ تھا اور وہ پنج ہزاری منصب رکھتا تھا۔

شاہزادی گلبدن بیگم شاہی خاندان کی خواتین کے ساتھ ۱۵۵۷ء میں
ہندوستان پہنچی تھی لیکن اس وقت سے ۱۵۷۵ء تک جبکہ وہ مکہ معظمہ کو
گئی اسکے حالات کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ان لوگوں کا کوئی ذکر تاریخ میں پایا جاتا
ہے جو کہ ذاتِ خاص سے تعلق رکھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات خاص دلچسپی
رکھتے ہیں۔

تیسری فصل

بیرم خان کا زوال اور ماہم کا اقتدار

جن لوگوں نے باپ کے ساتھ بیرم خان کی وفاداری کے واقعات کا
اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہوگا یقیناً انہوں نے وہ دور بھی دیکھا ہوگا جبکہ بیرم
خان کا نام ارکان سلطنت کی فہرست میں سے نکال دیا گیا تھا اور وہ تنزل کی
انتہائی درجہ پر پہنچ گیا تھا۔

اکبر کی ماں حمیدہ بیگم بیرم خان کے اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی جس سے
وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکتی۔ نیز ماہم انگہ ادہم خان اور شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری

سے بیشک وہ پیدا ہی نہ کر سکتی تھی۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ماہم انگا اپنے چھوٹے بیٹے کی بد قماشی بڑھنے میں اس
سلسلہ میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معمولی
معاملات سے کے بہت ہی مہمات وہ ان کا تصفیہ کیا کرتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے
کہ اس کی ذات میں کوئی خاص خوبی نہ تھی وہ عقلمند و ہوشیاری تھی صرف اس میں
یہ خوبی تھی کہ وہ اپنے بچوں سے محبت کرتی تھی یہی وجہ ہے کہ اقتدار کی بھی ممکن
ہے کہ حمیدہ بانو بیگم سے اسکے تعلقات کی خرابی ہی اسکا موجب ہو۔

صاحب طبقات لکھتا ہے کہ بیرم خان کی وفات کے ایک سال بعد
ماہم انگہ کے چھوٹے بیٹے ادہم نے دربار کی امراء میں غیر معمولی اقتدار و رسوخ
حاصل کر لیا تھا۔ اسکو مالوہ میں باز بہادر کے مقابلہ پر بھیجا گیا اور وہاں اس نے
سخت ظلم و ستم کے واقعات سے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ
باز بہادر جیسے عمال کے مقابلہ میں اگر کسی کو کامیابی ہو سکتی تھی تو وہ بیرم خان جیسا
ہی ہو سکتا تھا۔

اس زمانہ میں ماہم انگہ گویا ہندوستان کی سلطنت کی مدار المہام بنی ہوئی تھی
اور اسی کے مشورے سے منعم خان کو خان خاناں کا خطاب عطا ہوا تھا اس کا دلی
منشا یہ تھا کہ منعم خان کو وزیر اعظم بنا دیا جائے چنانچہ اس بہانے سے بہت سی کوششیں
صرف کر دی تھیں۔

ادہم نے باز بہادر سے مقابلہ کیا اور اسکو شکست دی اور وہ سارنگپور
سے بھاگ کھڑا ہوا اس کے بھاگ جانے کے بعد ادہم نے ہندوؤں سے سازش کرکے یہ حکم
جاری کیا کہ باز بہادر کے خاندان والوں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ اس کے خاندان کے بہت لوگوں کو مار
ڈالا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے آخر لوگوں نے دربار میں بڑا اس معاملہ کو پیش کیا اور قتل عام کی کارروائی

ہو گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ادہم خان اور اس کے ساتھیوں ہی نے کشت و خون
کا بازار گرم کیا تھا پیر محمد خان جس نے اس ناٹک میں کوئی حصہ نہ لیا کہتا
ہے کہ ادہم خان اور اس کے ساتھیوں نے خلق خدا کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ
ڈالا افغان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ باز بہادر کے بھاگ جانے کے بعد
وحشیانہ اسلحہ کا استعمال کیا گیا تھا جب ان قاتلوں سے پوچھا گیا کہ تم نے جو کچھ کیا ہے
کہاں تک انصاف اور قانون پر مبنی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ آخر ان قیدیوں کے
ساتھ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

اس کشت و خون میں جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان میں ایک کمال رقاصہ روپ
متی بھی تھی جو اپنے خداداد حسن و شاعری کے سبب ہندوستان میں خاص
شہرت رکھتی تھی۔

روپ متی اپنے نام سے ہندو عورت معلوم ہوتی ہے اس کو باز بہادر
کے اشارہ سے زخمی کیا گیا تھا زخم سخت اور کاری تھا کہ وہ زندگی سے مایوس
ہو گئی تھی ادہم نے اسکو مشورہ دیا کہ وہ اپنے مالک کے پاس چلی جائے اس نے اس مشورہ
کو قبول کر لیا اور زخموں کی مرہم پٹی کرالی لیکن پھر اسکا ارادہ بدل گیا اس نے ادہم
ہی کے پاس رہنا چاہا اور ادہم سے ایفائے عہد کا وعدہ لینا چاہا ادہم نے صاف
الفاظ میں اس سے کہہ دیا کہ اسکو اس کے ساتھ بحیثیت ایک لونڈی کے رہنا پڑیگا
پھر جب ادہم اسکے کمرہ میں داخل ہوا اور اسکی چادر کو ہٹا کر اسکے چہرہ پر نظر ڈالی تو
معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔

غالباً مردوں کے خیال میں روپ متی کی زندگی ایک ذلیل زندگی تھی
وہ دنیا میں گناہ کرنے کے لئے پیدا ہوئی تھی اس نے اپنی فطرت کے مطابق اپنی

محمد اور قصہ کی نیا دلی سے یاد لگی اکبر کے اس زبردست گھوڑے کے ہم کا دل جلا تھا
اور اس نے اپنے ہاتھ میں نعش شمشیر کے سے بچنے منصب اپنی ذات اور اپنے لوگوں کے
متعلق جانتے تھے سب تنگ ہو گئے۔

جب ان کی گمشدگی کا اور ماہم کے ساتھیوں کا کھانا ماہم کے سامنے لایا گیا
تو شدت غم سے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ماں اور بیٹا دونوں ایک جگہ مدفون ہیں
اکبر نے خود بنفس نفیس اپنی دایہ کے جنازہ کو کاندھا دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کو
اپنی دایہ سے غیر معمولی محبت تھی۔

اس واقعہ کے چند سال بعد خاندان شاہی میں ماہ چوچک سے متعلق
وحشت انگیز خبریں وصول ہوئیں ماہ چوچک کابل میں تھی اور قندہار سے حمیدہ بانو
بیگم کے کابل آنے پر ۱۵۴۶ء میں ہمایوں نے اس سے شادی کی تھی یہ کوئی خاندانی
عورت نہ تھی اس کو بیگم کا خطاب غالباً اسوقت ملا ہوگا جبکہ اس کے بطن سے
ہمایوں کا لڑکا محمد حکیم پیدا ہوا تھا۔

ہمایوں نے سنہ ۹۶۲ھ میں ماہ چوچک بیگم کے چند سالہ بچہ محمد حکیم کو کابل کا گورنر مقرر کیا
تھا جس کی نگرانی منعم خان کے سپرد تھی پھر ۱۵۶۰ء میں اکبر نے اس منصب پر منعم خان
کو مستقل طور پر مامور کر دیا تھا اس کے بعد ۱۵۶۱ء میں جب منعم خان دربار میں حاضری
کے لئے کابل سے روانہ ہوا تو اس نے اپنے لڑکے غنی کو اپنا جانشین بنا کر کابل میں
چھوڑ دیا غنی نہ تو خوش خلق تھا اور نہ دانشمند سیاست دان ایک روز وہ فالیز
پر تفریح کے لئے کابل سے باہر گیا تھا کہ ماہ چوچک بیگم نے اس کو روک دیا اور کابل
کے اندر داخل نہ ہونے دیا اور مجبور ہو کر وہ ہندوستان چلا گیا۔

غنی کے ہندوستان چلے جانے پر ماہ چوچک بیگم نے اپنے لڑکے حکیم
کو کابل کا گورنر مقرر کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی بیگم نے اپنی امانت کیلئے

تین آدمی تجویز کئے تھے جن میں سے دو کا خاتمہ تو خود اس نے اپنے حکم سے کرا دیا اور
اور تیسرے نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

کابل کے اس انقلاب کی خبر سے اکبر اور خاندان شاہی کی تمام خواتین
نے سنی ہوگی اور یقین کہ سے معاملات کو سلجھانے کیلئے منعم خان کو کابل بھیجا ہوگا
اصغرا ماہ چوچک سے منعم خاں کا مقابلہ جلال آباد میں ہوا ہوگا اس مقابلہ میں
منعم خان کو شکست فاش ہوئی اور اسنے سرزمین کابل سے بھاگ کر ہندوستان
کی راہ لی اس واقعہ کے بعد ماہ چوچک نے اپنے تیسرے مشیر کو بھی قتل کرا دیا اور ایک
اور آدمی کو مشیر مقرر کیا اور اس کے ساتھ شادی بھی کر لی اس شخص کا نام حیدر قاسم
کوہ بر تھا ماہ چوچک نے جو کابل میں جو انقلاب پیدا کیا تھا وہ ضرور حیرت کن تھا جسکا
سلسلہ ۹۶۷ھ کے وسط تک جاری رہا یعنی اسوقت تک ماہ چوچک کابل پر
متصرف رہی جب تک کہ ابوالمعالی آخی ہندوستان روانہ ہوا۔

ابوالمعالی کون تھا ہم اس وقت ہم اس کے گذشتہ تاریخی حالات پر روشنی
ڈالنا نہیں چاہتے۔ اس کی غداریاں کشت و خون سرتابی اور زیارت مقامات
مقدسہ کے لئے سفر وغیرہ وغیرہ یہ تمام واقعات مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کی موجودگی
میں اس کی شخصیت پر گفتگو کرنا ضروری نہیں ہے صرف یہ کہنا ہے کہ وہ چند آدمیوں کو قتل کرکے
ہندوستان سے بھاگا تھا ہندوستان سے کابل کی حکمران بیگم ماہ چوچک کو ایک خط
لکھا تھا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ ہمایوں کا وفادار و جاں نثار رہا ہے اور ہمیشہ رہے
اس کی معاون ہے بیگم نے اس کے الفاظ پر اعتبار کر لیا اور اس کو کابل بلا لیا صرف یہی نہیں
بلکہ اس کی بیٹی فخر النساء کی شادی بھی کر دی اور حکومت کے اختیارات بھی حوالے
کر دیئے

اس واقعہ کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ ابوالمعالی نے علم بغاوت بلند کر دیا ماہ چوچک

کی زندگی کا خاتمہ اپنے خنجر سے کیا اور حیدر قاسم اس کے شوہر کو بھی موت کے
گھاٹ اتار دیا اور بہتیروں جن کو ماہ چوچک کے خیر خواہ تھے تہ تیغ کر کے
کابل کی شہر پناہ میں خون کے دریا بہا دیئے۔

ماہ چوچک کے بیٹے محمد حکیم نے اس بغاوت کی اطلاع سلیمان اور حرم
بیگم کو دی اور مدد کی التجا کی۔ حرم نے اعانت کا وعدہ کیا اور بدخشان سے امدادی
لشکر روانہ کر دیا جو جلد ہی کوہ کو تیزی سے عبور کر کے وادی غوربند میں ابوالمعالی
سے مقابلہ کیا اور شکست دیکر اسکو گرفتار کر لیا پھر اسکی مشکیں باندھ کر شہزادہ محمد حکیم
کے پاس اسکو بھیج دیا اور حکیم نے اسکو مروا ڈالا۔ ابوالمعالی اور ادہم دونوں نے بیرم
خان کے اقتدار کے زوال میں حصہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جو اقتدار
نصیب ہوا تھا قدرت نے اس سے ان کو زیادہ نفع نہ پہنچنے دیا اور وہ نامراد دنیا
سے رخصت ہو گئے۔

ابوالمعالی کے قتل کر دیئے جانے کے بعد سلیمان نے ایک لڑکی سے محمد حکیم کی
شادی کر دی اور کابل کا کچھ حصہ اپنے لوگوں کے لئے علیحدہ کر دینے کے بعد وہ قلعہ
ظفر کو چلا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد کابلیوں نے مداخلت بیجا کے الزام پر سلیمان
کے آدمیوں کو کابل سے باہر نکال دیا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کابلیوں کی سرکوبی کے لئے
سلیمان کو پھر لشکر بھیجنا پڑا۔ ۹۷۰ھ میں یہ لشکر کابل پر متصرف ہوا اور محمد حکیم بھاگ
کر ہندوستان پہنچا اور اپنے بڑے بھائی اکبر سے بہت کچھ منت سماجت کی۔ اکبر نے
سلیمان کو لکھا کہ وہ لشکر کابل سے ہٹا لیجائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس موقعہ پر حرم کے کچھ ضروری حالات کا اندراج نامناسب نہ ہوگا۔ آخری ایام
میں حرم بیگم سے سلیمان کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے کشیدگی کی وجہ یہ تھی کہ
سلیمان محترمہ کے ساتھ اپنی شادی کرنا چاہتا تھا اور حرم اسکے خلاف تھی چنانچہ

حرم نے محترمہ کی شادی سلیمان کے لڑکے سے کر دی اور پھر ایک اور واقعہ سے وہ اس قدر برافروختہ ہوئی کہ اُس نے سلیمان کو چھوڑ کر کابل میں اقامت اختیار کر لی اسوقت کابل کا گورنر منعم خان تھا منعم کے ذریعہ حرم نے اکبر کو اپنی شکایات لکھ بھیجیں جس کے جواب میں اکبر نے منعم خان کو ہدایت کی کہ وہ درمیان میں پڑ کر معاملہ کو سلجھا دے چنانچہ منعم خان نے حرم بیگم اور سلیمان کے درمیان صفائی کرا دی اور حرم بدخشاں جانے پر رضامند ہو گئی منعم خان اسکو پہنچانے کے لئے دور تک گیا جب دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو حرم اونٹ سے اُتر پڑی اور منعم خان کو گھوڑے پر سوار کر کے اس کو رخصت کر دیا۔ رخصت کے وقت حرم بیگم نے منعم خان سے کہا تھا کہ میں تم کو اپنا بھائی خیال کرتی ہوں اور آئندہ کبھی صرف تمہاری وجہ سے کابل پر لشکر کشی نہ کرونگی اس کے بعد بھی دونوں کی درمیان کئی مرتبہ اسی قسم کے عہد و پیمان ہوئے لیکن حرم نے اپنے عہد و پیمان کا خیال نہ کیا اور جب اسکو موقع ملا وہ کابل پر لشکر لیکر چڑھ دوڑی چنانچہ ۱۵۶۶ء میں حرم نے پھر کابل کا رخ کیا وہ چالاکی و فریب سے کابل پر متصرف ہونے کا ارادہ کر لیا سلیمان کو بھی محمد حکیم کو گرفتار کر لینے کے لئے کمینگاہ پر لگا دیا۔

سلیمان بظاہر حرم بیگم کی ان کوششوں کو نامناسب خیال کرتا تھا لیکن حرم بیگم نے اسکو ہموار کر لیا تھا اور اسکو یہ لالچ دیا تھا کہ چونکہ میرا بیٹا ابراہیم مر چکا ہے اسلئے میں تم کو اپنا متبنّٰی بنا لونگی۔

اس کے بعد حرم بدخشاں کو واپس چلی گئی اور سلیمان بھی بدخشاں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب سلیمان کی قسمت کا ستارہ بھی گہن لگے [illegible] میں جب کہ وہ اکبر کی حفاظت میں تھا لاہور کے اندر ہی تک مرزا سلیمان بدخشاں پر اسوقت تک متصرف رہا جبتک اس کے مال پر حرم کی نظر عنایت رہی

اور جب حرم کی مہم میں سے پھر گئیں تو بدخشاں ان کے اقتدار سے نکل گیا

پانچویں فصل

اکبر کے ماموں کی فتنہ پردازیاں

اکبر کی ماں حمیدہ بانو بیگم کا بھائی خواجہ معظم نہایت فتنہ پرداز شخص تھا شاہی خاندان کی خواتین کے درمیان نزاع پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانے کا اسے خوب آتا تھا بچپن سے یہ شخص من موجی واقع ہوا تھا اور شرارت مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی بدباطنی کے جراثیم بچپنا سے اس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے جنہوں نے اسکی زندگی کے آخری سانس تک بہت غلبہ پالیا تھا

بیرم خان نے اپنے عہد اقتدار میں اسکو شہر بدر کر دیا تھا لیکن جب بیرم خان کا اقتدار جاتا رہا تو پھر دربار شاہی میں داخل ہو گیا اور اسکو جاگیر بھی ملی لیکن اکبر بھی اسکو بھی نظر سے نہ دیکھتا تھا کیونکہ اسکے ہاتھوں سے قتل کے جو ارتکاب ہوئے تھے وہ سب اسی کی سازش کا نتیجہ تھے اکبر نے اپنی ماں کے کہنے سے اسکے جرائم کو معاف کر دیا تھا اور اس کی حرکتوں سے درگذر کرتا رہتا تھا۔

۹۷۲ھ میں بی بی فاطمہ خواجہ معظم کی خوشدامن اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ کا ماموں خواجہ معظم میری لڑکی اور اپنی بیوی زہرہ کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہے اکبر نے فوراً خواجہ معظم کو اطلاع دی کہ میں تمہارے گھر آرہا ہوں اور اسکے بعد فوراً اکبر اس کے گھر کیطرف روانہ ہو گیا شہنشاہ نے اسکے گھر میں قدم ہی رکھا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کا خنجر سے کام تمام کر دیا اور جھلا کر خنجر کو اسطرح اکبر کیطرف پھینکا جیسے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خاندان شاہی کو مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ زہرہ کو قتل کر کے خواجہ معظم دریا کے اندر کود پڑا لیکن ڈوبا نہیں۔

نظام الدین احمد کہتا ہے کہ واقعہ قتل کے بعد بادشاہ کے حکم سے اسکو خوب پیٹا گیا اور دریا میں غوطے دیئے گئے اور پھر اسکو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور وہ قیدی کی حالت میں گوالیار کے قید خانے کے اندر مر گیا

چھٹی فصل

ناہید بیگم

سنہ ۱۵۷۱ء میں ایک اور قدیم شناسا ناہید بیگم کا واقعہ سامنے آتا ہے جسے شاہزادی گلبدن بیگم محض اس وجہ سے جانتی تھی کہ اس کا باپ قاسم بابر کا سوتیلا باپ تھا۔ ناہید قاسم اور ماہ چوچک ارغون کی لڑکی تھی ماہ چوچک کامران کی بیوی نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ہمنام ہے۔ یہ دونوں عورتیں ارغون خاندان کی اور ہم عمر ہیں۔ ماہ چوچک ناہید کی ماں نے تیسری شادی محب علی نظام الدین خلیفہ کے بیٹے سے کی تھی جو دولت کر کے ایک اعلیٰ منصب پر سرفراز تھا لیکن اب سپاہیانہ زندگی سے کنارہ کش ہو گیا تھا اب ناہید کی ماں شباب کے دن گذار رہی تھی اس کے آخری شوہر کا لڑکا محمد باقی ترخان ارغون ٹھٹھ کا حکمران تھا لیکن اپنی ماں کی خبر نہ لیتا تھا ناہید سنہ ۱۵۸۱ء میں اپنی ماں سے ملنے گئی اور غالباً باقی کو لوگوں نے متوجہ کیا ہوگا کہ ناہید صرف ملنے ہی نہیں آئی ہے بلکہ اسکا آنا کسی اور بات سے متعلق ہے لوگوں نے اس مشورے سے متاثر ہو کر باقی نے ماہ چوچک کو قید کر دیا اور ناہید سے ایسا برتاؤ کیا کہ اس کو وہاں سے بھاگ کر ایک جگہ پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا وہ اکبر کے حضور میں حاضر ہوئی پھر شور پور کر دی اور اپنی غلطیوں کا اعتراف

کے کہا کہ ہم نے بلخ سے اس ہندو کا سلطان محمود بیگڑی سے بھی ذکر کیا تھا
جس کے جواب میں محمود نے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ تم ٹھٹھہ پر حملہ کر دو میں
تمہاری مدد کو گجرات کے بعد ناہید نے کہہ سے عرض کیا کہ آپ بھی میری مدد
کریں۔

اکبر نے اس کی خواہش کو قبول کر لیا مرزا علی کو بلایا گیا اور ایک لشکر اس کی ماتحتی
میں دیکر ناہید کے ساتھ اسکو روانہ کر دیا اس لشکر کے ساتھ مرزا جانی بیگ کی بیوی صالحہ
اور انکا داماد بھی تھا۔ مدت تک بلخ سے جنگ ہوتی رہی لیکن ناہید کا مقصد پورا نہ ہوا
آخر وہ واپس چلا آیا ناہید نے احمد شاہ کے خلاف کاروائی شروع کر دی اور اس
میں اسے کامیابی ہوئی مرزا علی نے ایک مدت تک ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا لیکن ناہید کے
متعلق علوم نہیں کہ آیا وہ واپس چلی گئی یا ممکن ہے کہ وہ اکبر کے دربار میں حاضر
ہوئی ہو اور اسکو معافی مل گئی ہو اور پھر اسنے اپنی زندگی خاموشی کے ساتھ گزار دیا ہو

ساتویں فصل

گلبدن بیگم کی تاریخ گوئی اور وفات

گلبدن بیگم کی زندگی کا وہ بہت سا زمانہ جس کے واقعات سے تاریخی اوراق
خالی ہیں۔ غالباً ایک بادشاہ کی بہن ایک بادشاہ کی پھوپھی ایک شوہر کی بیوی
اور بچوں کی ماں کی حیثیت سے آرام و سکون کے ساتھ بسر ہوا ہوگا وہ علوم و فنون کی
دلدادہ تھی اس لئے کتابوں کے مطالعہ اور شاعری میں اسنے طمانیت کیساتھ
ایام گذارے ہوں۔ سیاست سے بھی اسکو دلچسپی تھی اس لئے اسنے بیرونی خبروں۔
اندرونی اطلاعات۔ حکومت کے نظم و نسق اور تغیرات سے آگاہ رہنے کے ذرائع
اپنے لئے قائم کئے ہونگے اور اسکو اس امر کا بھی موقع ملا ہوگا کہ وہ شاہی خاندان

کی خواتین کے ساتھ ہندوستان کے شہر دیکھے سفر کرے اور سرکاری لشکر دیکھا تھا
جانے اور اس سلسلہ میں اُسے ہندوستان کے متعلق کافی معلومات حاصل کی
ہونگی۔ اکبر کے عہد میں گلبدن کے ایک سفر کا حال تاریخوں میں پایا جاتا ہے
جو ایک شاہی لشکر کے ساتھ گئی تھی اور اسکا خیمہ حمیدہ بانو بیگم کے خیمہ کے قریب نصب
تھا جس سے غالباً شہنشاہ اکبر کا خیمہ بھی زیادہ دور نہ ہوگا گلبدن نے ہندوستان کے
اُن رسم و رواج کو بھی دیکھا ہوگا جو ہندوؤں میں رائج تھے خصوصاً ستی کی رسم
کو اس نے راجپوتوں کے متعلق بھی سنا ہوگا کہ وہ اپنی عزت و حرمت کے
کس قدر محافظ تھے ان کی عورتیں قید ہو جانے کے مقابلہ میں جان دیدینا
بہتر خیال کرتی تھیں اور شوہر بھی بیویوں کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالنا زیادہ بہتر سمجھتے تھے
اس کے مقابلہ میں کہ وہ فاتح قوم کے ہاتھ میں پڑ جائیں۔

اکبر کے عہد میں گلبدن بیگم نے حرم شاہی میں ان ہندو عورتوں کو بھی دیکھا
ہوگا جو شاہی خاندان سے منسلک ہوگئی تھیں اور اُسنے ہندوؤں کی معاشرت
کا علم بھی اس کو رہا ہوگا۔ گلبدن بیگم کو ان بہت عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے
کا وقت بھی ملا ہوگا اور اس سلسلہ میں اسکو بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہوئی ہونگی
ہندو خواتین سے اس کو یہ معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی ہوگی کہ مقامات
مقدسہ کی زیارت کا جذبہ جس طرح عام مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح
ہندوؤں میں بھی ہے اور اسکے بعد اسنے مقامات مقدسہ جانے کا پختہ ارادہ
کر لیا ہوگا۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گلبدن بیگم [illegible] میں مکہ معظمہ روانہ ہوئی شہنشاہ
اکبر کو اپنی عزیز پھوپھی کی مفارقت گوارا نہ تھی اور انکی روانگی بالکل شاہی مرضی کے خلاف
ہی گلبدن بیگم نے اس خیال سے کہ خود شہنشاہ اس مقدس سفر کا ارادہ رکھتے

ہیں وہ اگلی روز تاخیر سے بھی کام لیا لیکن شہنشاہ کو روکے باز نہ جا سکے وہ حج کے مقصد سے احرام باندھ کر اپنی پھوپھی گلبدن بیگم کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن موقع نہ تھا انکو احرام توڑنا پڑا اور وہ واپس چلے آئے۔

اکبر اگرچہ خود اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے نہ جا سکا تھا لیکن اپنی طرف سے اس نے متعدد آدمیوں کو روانہ کر دیا تھا اور ان کے مصارف کے لئے گرانقدر رقوم اپنی جیب خاص سے ادا کی تھیں۔ وہ ہر سال ایک سالار قافلہ کی نگرانی میں حاجیوں کی ایک تعداد روانہ کرتا اور قیمتی ہدایا و تحائف روانہ کیا تھا۔

گلبدن بیگم جس قافلہ میں روانہ ہوئی تھی اس کا سردار سلطان خواجہ تھا جسکو اکبر نے دوسرے ہدایا و تحائف کے علاوہ بارہ ہزار خلعت فاخرہ بھی دیئے تھے فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد سلطان خواجہ جب واپس ہوا تو گلبدن بیگم کو اپنے ساتھ نہیں لایا بلکہ مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ آیا۔ سلطان خواجہ کے بعد قافلہ کی سالاری کا فرض خواجہ یحییٰ کے سپرد تھا۔

تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ گلبدن بیگم کو مکہ معظمہ جانے کی اجازت کیونکر ملی اور اکبر نے اپنی عزیز و دانش مند پھوپھی کی مفارقت کیونکر گوارا کر لی ممکن ہے کہ اس کا سبب گلبدن بیگم کا بڑھاپا ہو اس وقت گلبدن کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہو چکی تھی دنیا کی لذتوں اور عیش و مسرت سے اسکا دل بھر چکا ہو گا اور مذہبی جذبات ابھر گئے ہوں گے اور اس کی مذہبی عقیدت نے اسکو سفر حج پر آمادہ کر دیا ہوگا ایسی حالت میں اس کو روکنا غالباً کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

ابوالفضل نے ان خواص خواتین کے نام بھی لکھے ہیں جو گلبدن کے ساتھ حج کو گئی تھیں ان سب کو شہنشاہ اکبر نے اپنی جیب خاص سے تمام مصارف سفر عطا کئے تھے ان میں بیرم خان کی بیوہ سلطان سلیمہ بیگم بھی تھی جس سے اکبر نے

شادی کر لی تھی ایک اور خاتون سلطانم تھی جو اکبر کے چچا عسکری کی بیوہ تھی جس نے اکبر کی تربیت اور نگرانی میں کافی حصہ لیا تھا گلبدن کی دو بھتیجیاں کامران کی لڑکیاں بھی اس قافلہ میں شامل تھیں اور ماہی بیگم اور گلرخ بیگم بھی شریک تھیں ماہی بیگم کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حج ان کا دوسرا حج ہو گا انہوں نے پہلا حج اس وقت کیا ہو گا جب اس کا باپ عربستان میں تھا ان دونوں بیگموں کو حج کی سعادت کے ساتھ یہ شرف بھی حاصل ہوا ہو گا کہ وہ اپنے والد اور ماہ چوچک کی قبروں پر فاتحہ پڑھیں۔

گلبدن بیگم کی ایک پوتی ام کلثوم بھی اس کے ساتھ تھی اور ایک کنیز عورت بھی تھی جس کا نام گلنار تھا یہ وہ عورت ہے جو ۱۵۲۶ء میں شاہ طہماسپ نے بابر کی خدمت میں بھیجی تھی اس کی عمر اس وقت بہت زیادہ تھی گلبدن بیگم سے بھی زیادہ لیکن اس کی صحت اچھی تھی بیگہ کا ایک اور خادمہ جو ہمایوں کے زمانہ میں بھی خادمہ رہی ہے اس سفر میں شامل تھی جس کی شادی منعم خاں کے ساتھ ہوئی تھی اس وقت بیوہ تھی اور قصہ گوئی و شعر خوانی پر مامور تھی بی بی صفیہ، شاہ آغا بھی اس قافلہ میں تھیں یہ بھی ہمایوں کی باندیاں تھیں۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ ۱۵ اکتوبر ۱۵۷۵ء میں اس قافلے کے سیکری میں جمع ہونے کا حکم دربار سے صادر ہوا تھا اور یہی روانگی کی تاریخ تھی لیکن قافلہ مقررہ تاریخ سے پہلے ہی روانہ ہو گیا کیونکہ خواتین تیزی کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی تھیں عام طور پر قافلوں کی روانگی کا یہ دستور تھا کہ دسویں مہینے (شوال) میں عام طور پر آگرہ سے روانہ ہو جایا کرتے تھے لیکن یہ قافلہ عام دستور کے خلاف ساتویں مہینے (شعبان) ہی میں آگرہ سے روانہ ہو گیا تھا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اکبر کا دوسرا لڑکا مراد خواتین کے ساتھ سندھ

کے کنارے تک گیا تھا اور شہزادہ سلیم نے انکی واپسی پر ساحل سے ہی آگے
ایک منزل پر آگرہ سے باہر جا کر پیشوائی کی تھی۔
گلبدن بیگم کی واپسی کے بعد شہزادہ مراد سورت سے آگرہ واپس بھیجا گیا
جو اس کی سفر جہت کے لئے گیا تھا۔ کہ اس زمانہ میں سلیم اور مراد کی عمریں پانچ اور چار سال
کی تھیں۔ اس قافلہ کے ذمہ دار افسروں میں ایک محمد باقی کو کہ تھا اور دوسرا ہمدی
خان موخر الذکر شخص غالباً ہمایوں کے چچا کا افسر رہ چکا ہے۔
بہ حقیقت کس قدر افسوسناک ہے کہ شہزادی گلبدن بیگم نے اپنے اس مبارک
سفر کے حالات قلمبند نہیں فرمائے یہ سفر یقیناً نہایت دلچسپ ہوگا اور اس کے
واقعات بھی نہایت دلچسپ ہوں گے اگرچہ بعض مواقع پر تکالیف سے بھی دوچار
ہونا پڑا ہوگا۔
تاریخ سے اتنا پتہ تو چلتا ہے کہ روانگی سورت کے بندرگاہ سے عمل میں
آئی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سورت جانے کے لئے کونسا راستہ اختیار کیا گیا
تھا اور جس حفاظت کی خدمت غالباً مقامی فوجوں کے ذمہ ہوگی جو اپنے مقام سے
دوسری فوج کے مقام تک قافلہ کو حفاظت سے پہنچا دیتی ہوگی۔
اس زمانہ میں اگرچہ پرتگیزوں کے درمیان صلح تھی لیکن پھر بھی خواتین
کو سمندر تک پہنچنے میں ایک مہینے کی مدت صرف ہوگئی صاحب اکبر نامہ لکھتا ہے
کہ قافلہ کے بندرگاہ تک پہنچنے میں تاخیر کا سبب فرنگیوں کی گڑبڑ تھی فرنگیوں کے
شور و شر کے سبب خواتین نے ایک کشتی کرائے پہلے جس کا نام سلیمی تھا اس کشتی نے
پھر بعد رفتار سے چل کر زائرین کے اس جہاز کو پالیا جس میں یہ سفر کرنیوالی تھیں۔
ایک اور وجہ اس تاخیر کی یہ بیان کیجاتی ہے کہ عربی سفر کے لئے ایک نظر میں
بحفاظت راہداری کی ضرورت ہوتی تھی اور خواتین کے اس قافلہ سے بیوانہ راہداری کو

حاصل نہیں کیا تھا مگر اس زمانہ میں بنگالیوں کا اقتدار تھا اور انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ جب تک محصول ادا کر کے پروانۂ راہداری کو حاصل نہ کر لیا جائے جہاز بندرگاہ سے آگے نہ بڑھے۔

بدایونی لکھتا ہے کہ خواجہ سلطان کے جہازات پروانۂ راہداری حاصل نہ کرنے کی وجہ سے بندرگاہ میں کھڑے رہے پھر بدایونی ایک قانونی پہلو یہ بیان کرتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان سے حج کرنا خلاف قاعدہ تھا کیونکہ سورت حج کے عام طور پر دو راستے تھے ایک راستہ تو عراق کا تھا جو شیعہ مقبوضات میں ہو کر جاتا تھا اور دوسرا راستہ بحری تھا جس کے لئے پروانۂ راہداری حاصل کرنا پڑتا تھا اور ان پروانوں پہ حضرت مسیح اور مریم علیہما السلام کی تصویریں بنی ہوتی تھیں جن سے اس زمانہ میں نفرت کی جاتی تھی۔

قافلہ کی روانگی میں جب دیر ہو گئی اور کوئی صورت روانگی کی نہ نکلی تو سالارِ قافلہ نے اس کی اطلاع بادشاہ کو دی بادشاہ نے فوراً سورت کے حاکم قلیچ خان کے نام یہ احکام بھیجے کہ تم فوراً سورت جاؤ اور جو موانع و مشکلات روانگی میں پیش آ رہی ہیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کو عمل میں لاؤ۔

قلیچ خان نے یہ احکام پاتے ہی کمبے کے ایک ملاح کو جو ملاحی اور جہاز رانی کے کام میں ہوشیار تھا اپنے ساتھ لیا اور سورت کی طرف روانہ ہو گیا اور جو دشواریاں سفر میں پیش آ رہی تھیں ان کو دور کر دیا۔

۱۷ اکتوبر ۱۵۷۶ء کو عازمانِ حجاز کا یہ قافلہ بندرگاہ سے روانہ ہوا اور پورے ایک سال میں یہ بحری سفر طے ہوا کیونکہ منزل کا پتہ نہ تھا کہاں جا کر ٹھہریں کچھ مجبور ہو گئے اور کچھ نیچ فارس میں اور ان کے ساتھ تین سال عرب میں بسر ہوئے۔

ہمایوں نامہ

از

گلبدن بیگم

مترجمہ مسٹر زین حسن بی اے۔ بی ٹی

جس میں ہمایوں کی پوری سوانح عمری اور اس کے عہد کے
پورے واقعات لکھے ہیں۔ اور مزید فٹ نوٹ حسب ذیل
کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ جوہر آفتابچی ہمایوں بادشاہ
خواندمیر۔ میر مورخ بادشاہ۔ ابوالفضل بایزید بیات۔ علی شیر
امیر الامرائی۔ ارسکائن۔ تزک بابری۔ ایلیٹ وڈوسن
عبدالباقی نہاوندی۔ عبدالقادر بدایونی۔ ایلیس ورامس
مترجم تاریخ رشیدی۔ نظام الدین طبقات اکبری صمصام الدولہ
شاہ نواز خان۔ بیورج۔ جیرٹ۔ وغیرہ وغیرہ زیر طبع

قیمت عہ مجلد مع فوٹو۔ اور مع سوانح عمری

گلبدن بیگم مجلد عہ

[illegible]